...بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ
الحق
اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : 34
شمارہ نمبر : 9
صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
جون ۱۹۹۹ء

مدیر اعلیٰ: ...رت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ
نگران: حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ
مدیر: حافظ راشد الحق سمیع حقانی
ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

ماہنامہ الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر : 630435 , 630340 -(0923)
ای میل نمبر : E-Mail : haqqania@psh.infolink.net.pk
سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ =/15 روپے سالانہ =/150 روپے، بیرون ملک 20$ امریکی ڈالر
پبلشر : مولانا سمیع الحق مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، منظور عام پریس پشاور

نقش آغاز

راشد الحق سمیع حقانی

اکیسویں صدی کے چیلنجز اور عالم اسلام

"الحق" کے خصوصی نمبر کی اشاعت

تاریخ کے پرانے کیلنڈر پر بیسویں صدی اپنے بچے کھچے شب وروز اور لیل ونہار برق رفتاری کے ساتھ سمیٹ رہی ہے۔ بوڑھی دنیا کے جھریوں بھرے چہرے پر مزید ایک قرن کی گرد بیٹھنے کو ہے اکیسویں صدی کی دہلیز پر بیسویں صدی کا سورج اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ غروب ہونے کو ہے۔ کرہ ارض پر ان سو سالوں میں کیا کیا ہنگامے برپا ہوئے۔ اور کیسے کیسے انقلابات زمانہ نے تاریخ کا رخ موڑا۔ علم و آگہی اور سائنس و ٹیکنالوجی کی بدولت نت نئے تجربات نے کرہ ارض کو اتھاہ گہرائیوں سے اٹھا کر نہ صرف آسمان کی بلندیوں پر پہنچادیا بلکہ اس کو ہمدوش شمس و قمر کردیا۔ اقوام عالم میں سے بعض قومیں ان سو سالوں میں اپنی کوتاہ ہمتی کی بناء پر گمنامی کے قعر مذلت میں جاگریں۔ اور کئی بہادر اقوام نے اپنے لیے صفحہ عالم پر ایک عظیم مقام حاصل کرلیا۔ اور جہد مسلسل کی بناء پر اوج ثریا پر کمندیں ڈال لیں۔ الغرض زندگی کے بحر فنا میں مدوجزر اور اضطراب وتلاطم کی موجوں نے اس عرصہ دراز میں کئی پرانی تہذیبوں کو غرقاب کردیا۔ اور کئی نئی تہذیبوں کو اپنی تہہ سے باہر اچھال دیا۔ آج ہم اکیسویں صدی کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ بلکہ مغربی ممالک پر تو ایک جشن کا سا سماں طاری ہے اور کیوں نہ ہو کہ انہوں نے بیسویں صدی میں اپنے تمام اغراض ومقاصد اور اپنی منشا کے نتائج حاصل کرلیے۔ اور عالم اسلام کو اپنے زیر نگین کردیا۔ روس اور کمیونزم کی بڑی طاقت کو پاش پاش کردیا۔ اور اسی لیے اب وہ آئندہ صدی کو اپنی جیب کی گھڑی کہہ رہے ہیں۔ اور فخریہ کہہ رہے ہیں کہ وقت کے لمحوں کی باگ اب ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اقوام کی تقدیر بدلنے کا قلمدان ہمارے پاس ہے۔ سائنس وٹیکنالوجی کے براق پر سوار ان کو عالم اسلام اور تیسری دنیا کے ممالک حقیر ترین شئے بلکہ حشرات الارض نظر آرہے ہیں۔

فکری اور روحانی قوت سے عاری مغربی اقوام مادیات اور اقتصادیات کے نشے سے مخمور ہیں۔ اور انہیں بظاہر کسی فکر اور پریشانی کی علامت نظر نہیں آتی۔ آئندہ صدی پر حکومت کرنے کیلئے بیسویں صدی کے آخری سال میں منتشر یورپ اپنی صدیوں کی دشمنی اور عداوت کو بھلا کر عالم اسلام پر حکومت کرنے کیلئے متحد نظر آرہا ہے۔ امریکہ دنیا کی واحد سپر پاور کی حیثیت سے بیسویں صدی کے آخری عشرے میں ابھرا ہے۔ اور وہ اپنے نیو ورلڈ آرڈر کو اکیسویں صدی کا دستور قرار دینا چاہتا ہے۔ ان تمام حالات اور واقعات کے پیش نظر اب عالم اسلام اکیسویں صدی کے چیلنجز کا کس طرح مقابلہ کر سکتا ہے ؟ اور کس نہج پر اسکو کام کرنا چاہیئے ؟ اس سلسلے میں ماہنامہ الحق ایک چھوٹی سی کوشش اکیسوی صدی کے چیلنجز اور عالم اسلام نمبر کی اشاعت سے کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ امت مسلمہ جو خواب غفلت اور مایوسی و قنوطیت میں ڈوبی ہوئی ہے اس کو جھنجھوڑا جا سکے۔ "الحق" کے اس نمبر کیلئے ہمیں ماہنامہ الحق کے قارئین کرام کا خصوصی تعاون درکار ہے۔ امید ہے کہ اس سلسلہ میں آپ حضرات ہمیں اپنے مفید مشوروں اور بہتر تجاویز اور زریں آراء سے جلد آگاہ فرمائیں گے۔ نیز "الحق" کیلئے اپنے حلقہ میں قابل و فاضل اہل علم مضمون نگار حضرات کو بھی خصوصی نمبر کیلئے لکھنے کی ترغیب دیں گے۔ ماضی میں ماہنامہ الحق نے مختلف مواقع پر خصوصی نمبرات مرتب کیے ہیں جنہیں ملک و ملت نے الحمدللہ سراہا ہے۔ ہماری کوشش ہے کہ الحق کا یہ خصوصی نمبر اپنے جامع موضوعات اور تحقیقی مواد اور ضخامت کے اعتبار سے ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت حاصل کرے تاکہ دنیا بھر میں مختلف ملکوں اور اداروں کے ساتھ ساتھ ماہنامہ الحق بھی اکیسوی صدی کے سلسلہ میں ہونے والی تیاریوں میں دینی ' اسلامی اور مذہبی صحافت کی جانب سے ایک بہت ہی کامیاب ثابت ہو۔ انشاء اللہ یہ نمبر ایک طرح سے دینی صحافت کا فرض کفایہ ادا کرنے کی کوشش کرے گا۔ ہمارے پاس تین ماہ کا قلیل عرصہ ہے اس نمبر میں جہاں ہم اکیسویں صدی جو ہمارا خصوصی موضوع ہے پر کام کرینگے اسکے ساتھ ساتھ اپنا محاسبہ اور گرفت پر یقین رکھنے والی زندہ اقوام کی طرح اپنے ماضی کو بھی ٹٹولنے کی اس نمبر میں کوشش کرینگے۔ کہ ہم نے ان سو سالوں (بیسویں صدی) میں کیا پایا' کیا کھویا ؟ اور تاریخ عالم میں اپنے لیے کونسا مقام حاصل کیا ؟ اس صدی

میں مختلف تحریکات ابھریں اور سینکڑوں تنظیمیں بنیں اور مختلف شعبہ ہائے زندگی میں مسلمانوا
نے نمایاں کام کیا۔ اس کا کیا نتیجہ نکلا۔ کیا وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئیں ؟ اور اگر ناکام ہوئیں
اس کے کیا اسباب تھے ؟۔ گو کہ یہ ایک طویل موضوع ہے اور پوری ایک صدی کی چھان پھٹک
ہے، لیکن ہم وسائل کی عدم دستیابی اور اپنی بے بضاعتی کے پیش نظر بیسویں صدی کا ایک سرسری
سا جائزہ اس نمبر میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ امر باعث حیرت ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں
عالم اسلام کے چپے چپے میں آزادی و حریت اور انقلابی تحریکوں کا غلغلہ اپنے عروج پر تھا۔ جیسا کہ
الجزائر، تیونس، برصغیر پاک و ہند، مصر، انڈونیشیاء اور دنیا بھر کے متعدد اسلامی ممالک استعمار کے
چنگل سے آزادی حاصل کر رہے تھے اور بیسویں صدی کے نصف تک مومنانہ تب و تاب اور غازیانہ
کردار کے باعث عالم اسلام کامیاب ہو چلا تھا لیکن صرف تھوڑے ہی عرصہ میں دوبارہ استعمار کے
اقتصادی، معاشی، ثقافتی، تمدنی، سیاسی اور فکری چنگل میں بری طرح پھنس کر رہ گیا۔ ہمیں
اکیسویں صدی کے سفر کیلئے کمر کسنے سے پہلے ماضی کی غلطیوں سے سبق حاصل کرنا ہوگا۔ اپنی
صفوں سے کالی بھیڑیں نکالنا ہونگی۔ ایک ولولہ تازہ سے نشان منزل کی جانب بڑھنا ہوگا۔ اپنے
نظام کار، افکار اور پالیسیوں میں کئی بنیادی تبدیلیاں کرنی ہونگی۔ قرآنی علوم و فنون اور درس نظامی
کے ساتھ ساتھ جدید سائنس و ٹیکنالوجی اور دیگر عصری علوم فنون اور عربی، انگریزی زبانوں میں
مہارت پیدا کر کے اکیسویں صدی کے چیلنجز کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ اگر ہمارے اسلاف اغیار کے علوم
وفنون، منطق، فلسفہ وغیرہ کو اس وقت کے حالات کے مطابق اپنا سکتے ہیں۔ تو آج ہم اکیسویں صدی
کی دہلیز کے کنارے کیوں نہ ان تمام عصری علوم و فنون سے استفادہ نہ کریں۔ کیونکہ آئندہ صدی
انشاء اللہ اسلام کی ہے۔ خدا کے اس عالمگیر اور فطرت کے قریب ترین مذہب اسلام کی
ضیا پاشیاں اکیسویں صدی میں نصف النہار پر ہونگی۔ دنیا بھر کے تقریباً تمام نظام اپنی شکست سے
دوچار ہو چکے ہیں۔ کمیونزم اور سرمایہ دارانہ نظام کی چلچلاتی ہوئی دھوپ سے خلق خدا بالخصوص مغرب
اور امریکہ کے باسی اسلام کے سائباں کے نیچے آنا چاہتے ہیں۔ یہ اُسوقت ممکن ہو سکتا ہے جب ہم
روشن کل کیلئے آج کڑی محنت کریں۔ کامیابی اور اکیسویں صدی تب ہی ہمارا استقبال کرے گی۔

کوسووٗ کے بحران کا حل صرف عالم اسلام کے پاس ہے۔

خون میں ڈوبا اور آگ میں جلتا ہوا عالم اسلام کا اہم حصہ کوسووٗ جن حالات سے گزر رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہمارے سامنے بغداد کی تاریخ دہرائی جا رہی ہے۔ جب اہل بغداد اور ان کا شہر جل رہے تھے۔ لاشوں کے پشتے لگائے جا رہے تھے اور عالم اسلام اسکی کوئی مدد نہیں کر رہا تھا بالکل اسی طرح ظالم سرب فتنہ تاتار کی طرح مسلمانوں کو تاراج کر رہا ہے۔ لیکن عالم اسلام کا عالم ہی کچھ اور ہے۔ اگر عالم اسلام کی قیادت اور صاحب ثروت افراد کی بے حسی اور عدم توجہ پر آج یہ محاورہ کہا جائے کہ "روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا" تو بے جا نہ ہوگا۔ کوسووٗ سے ۹۰ فیصد مسلمانوں کو جبری جلاوطن کر دیا گیا ہے۔ پانچ چھ لاکھ مسلمانوں کو اب تک قتل کر دیا گیا ہے یا پھر غائب کر دیا گیا ہے۔ لیکن ان مسلمانوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔ نیٹو کے دکھاوے کے فضائی حملے سربیا پر جاری ہیں۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ اب تک ملاسوبچ کی حکومت ٹس سے مس ہوتی نظر نہیں آتی۔ دنیا بھر کے فوجی ماہرین چیخ رہے ہیں کہ سربیا پر فضائی حملے اس بحران کا حل نہیں بلکہ نیٹو اور امریکہ جب تک اپنی بری افواج کوسووٗ میں نہیں اتارتا۔ ظالم سرب اسی طرح مسلمانوں کے خون ناحق سے کھیلتا رہے گا۔ لیکن اصل میں درپردہ نیٹو اور امریکہ مسلمانوں کی نسلی تطہیر میں متعصب سرب عیسائی درندوں کے ہمراہ ہیں۔ بڑی طاقتوں کی فوجیں صرف ایک چھوٹی سی ریاست کی بری فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ یہ امر باشعور لوگوں کیلئے قابل تعجب اور باعث حیرت ہے۔ ادھر عالم اسلام خوش ہے کہ ہمارا "فرض کفایہ" امریکہ اور مغربی ممالک ادا کر رہے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ کا حل صرف عالم اسلام کے پاس ہے۔ اقوام متحدہ، نیٹو اور امریکہ سے مسلمانوں کی دادرسی یا مہاجرین کی وطن واپسی اور سربوں سے انتقام کی توقع رکھنا اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ یعنی

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے؟

کوسووٗ کے مسئلہ پر عالم اسلام میں سے پاکستان کا کردار بہر حال غنیمت ہے۔ اس کے ساتھ متحدہ عرب امارت نے بھی اچھی خاصی مہاجرین کی مدد کی ہے۔ لیکن باقی اسلامی ممالک کا کردار صفر

ہے۔ مالدار اور صاحب حیثیت عالم اسلام اگر سربوں سے انتقام نہیں لے سکتا اور اپنی بری افواج کو سوؤ نہیں بھیج سکتا تو کم از کم غذائی اجناس اور پیسے وغیرہ تو مہاجرین کی نصرت کیلئے بھیج سکتا ہے معلوم نہیں کہ عالم اسلام کو اس درجہ غفلت بے پروائی اور بے حمیتی ' بے غیرتی پر قدرت کی طرف سے کونسی سزا ملنے کو ہے ؟ شاید عالم اسلام کا ایک ایک ملک مستقبل قریب میں کوسوؤ' بوسنیا ،فلسطین ،کشمیر 'عراق 'لیبیا جیسی صورت حال سے دوچار ہونے والا ہے۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یوم تکبیر اور بھارتی جارحیت

۲۸۔ مئی جمعۃ المبارک کو اہل وطن نے ایٹمی دھماکے کی پہلی سالگرہ اظہار تشکر کے طور پر منائی۔ گوکہ حکمرانوں نے "یوم تکبیر" کو یوم تکبّر بنادینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ لیکن قدرت کی طرف سے سندھ میں سمندری طوفان میں جانی ومالی نقصانات کے پیش نظر حکومتی تقاریب کے رنگ میں بھنگ پڑگئی۔ لیکن ملک کے سنجیدہ عوام اور مذہبی جماعتوں نے اس روز خداوند کے حضور عجز وانکساری کے ساتھ اظہار تشکر ادا کیا۔ الحمدللہ آج پاکستان عالم اسلام کی پہلی اسلامی ایٹمی قوت بن گیا ہے۔ اور دنیا میں پھیلے ہوئے کروڑوں مسلمانوں کے سر فخر سے بلند ہوگئے ہیں۔ کہ اب ہم بھی دیگر اقوام کے ساتھ دفاع کے سلسلہ میں ہم پلہ ہوگئے ہیں۔ ہندوستان سمیت تمام کفر کی طاقتوں کو یہ بات گوارا نہیں اسی لیے خصوصاً ہندوستان گذشتہ ایک سال سے مسلسل کنٹرول لائن اور کشمیر پر بار بار جارحیت کا ارتکاب کررہا ہے۔ خصوصاً اس ماہ میں تو اسکی جارحیت اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ اور ہندوستانی افواج نے مجاہدین کے خلاف بڑا ظالمانہ آپریشن شروع کرر کھا ہے، اس کے ساتھ اس کی جنگی تیاریوں میں بھی بے پناہ اضافہ ہورہا ہے۔ کئی ڈویژن فوج اور جدید ترین جنگی سازوسامان کشمیر میں مختلف مقامات پر بھیج دیا گیا ہے۔ افواج پاکستان نے جس دلیری کے ساتھ

دشمن کے جارحانہ عزائم کو پیوند خاک کیا ہے وہ قابل تحسین ہے۔اس ایمانی قوت کی ہلکی سی جھلک یوم تکبیر کے موقع پر ہندوستان کے تین فوجی جہازوں کی تباہی کی صورت میں دنیابھر نے دیکھ لی ہے۔اگر ہندوستان افواج پاکستان پر جارحیت کی غلطی دہراتا ہے تو اس بار یہ اسکی آخری غلطی ہو گی۔ ہماری بے وقوف حکومت جو ہندوستان کے متعصب وزیراعظم واجپائی کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھارہی تھی اور ہم نے انہی ادارتی صفحات میں دیگر اہل درد کی طرح باربار حکومت پر یہ واضح کیا تھا کہ یہ مکار ہندو کی چال ہے۔لیکن ہماری حکومت نے باجود ملک کے دردمند حلقوں کے منع کرنے کے اسپر کان نہ دھرے اور رسوائے زمانہ معاہدہ "اعلان لاہور" پر دستخط کر دیئے۔ جسکی سیاہی ابھی خشک نہ ہوئی تھی کہ بھارت نے پرتھوی'ترشول وغیرہ دورمار ایٹمی قوت سے لیس میزائل چھوڑ کر اعلان لاہور کے پرخچے اڑادیے۔اب کارگل سیکٹر میں پاک بھارت جنگ زوروں پر ہے۔یہ ہماری حکومت کی ناکام خارجہ پالیسی کی بدترین مثال ہے۔ان نازک حالات میں اگر پاکستان ستمبر میں سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرتا ہے تو گویا یہ اپنی موت کے پروانے پر دستخطوں کے مترادف ہوگا۔اگر سی ٹی بی ٹی پر دستخط ہوگئے تو شاید آئندہ سال ہم یوم تکبیر نہ مناسکیں بلکہ یوم ندامت اور یوم پشیمانی خدانخواستہ کہیں ہم نہ منارہے ہوں۔خداوند ہمارے ملک وملت کی حفاظت فرما اور نااہل اور بے وقوف حکمرانوں سے ہمیں نجات دلا (آمین)۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ترکی میں باپردہ خاتون رکن پارلیمنٹ کی جرأت رندانہ

یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی (اقبالؒ)

ترکی کی پارلیمنٹ میں اسوقت زلزلہ برپا ہوا جب مشرق کی عفت مآب دختر پاکیزہ اور ملت اسلامیہ کی قابل فخر بیٹی مروہ کواکچی نے سر پر سکارف پہن کر تقریب حلف برداری میں شرکت کی۔اس واقعہ پر سیکولر ترکی میں ان دنوں ایک قیامت برپا ہوگئی ہے۔کہ اس اسلامی جرأت سے ان کے سیکولر نظام کے تہہ وبالا ہونے کا اندیشہ پیدا ہوگیا ہے۔پارلیمنٹ میں حزب اقتدار اور دیگر

پارٹیوں نے بشمول وزیر اعظم بلند ایجوت کے باپردہ رکن پارلیمنٹ کو ایوان سے باہر نکالنے کیلئے احتجاج شروع کیا۔ اور اس کے خلاف اخبارات اور نام نہاد تنظیموں نے ایک طوفان بد تمیزی برپا کردیا۔ یہ ہے روشن جمہوریت اور پروگریسیو سیکولر نظام کا ایک فراخ دلانہ منظر۔ جہاں ایوان میں عورت مغربی لباس سکرٹ بلکہ منی سکرٹ میں دندنا سکتی ہے لیکن اسلام کے مقرر کردہ فطری لباس کو پہن کر اور ستر کو ڈھانپ کر نہیں آسکتی۔ لباس انسان کا بقول مغرب ایک ذاتی فعل ہے اس کے پہننے یا نہ پہننے پر کوئی قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔ تو پھر اسی اصول کے مطابق ایک مسلم باعفت' باحیا عورت کے حقیقی مقام پر فائز ایک مسلمان خاتون اگر عمل پیرا ہو تو پھر یہ چیخ وپکار کیا معنی رکھتی ہے؟ طرفہ تماشہ یہ کہ اس رکن پارلیمنٹ کی ترک شہریت بھی ختم کردی گئی ہے۔ مغرب زدہ عورتوں کیلئے اس کی یہ جرأت رندانہ باعث عبرت ہے۔ آج مغرب کی مادی زندگی نے عورت کو سرمایہ دارانہ نظام کے پاؤں کی پازیب بنادیا ہے۔ جسکی جھنکار کے طفیل ہی اسکی منڈیوں کی رونق ہے۔ لیکن مغربی عورت کے مقام کو یورپ کے مشینی پرزوں کے شور' چمنی کے دھوئیں' کیمروں کی تیز روشنیوں اور گناہ سے بھرے ہوئے معاشرے نے اتنا آلودہ اور ذلیل کرادیا ہے کہ شاید ہی زمانہ جاہلیت میں آدم خور قبیلوں نے بھی عورتوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہو۔

ع آہ! کس گراں قیمت پہ عورت نے خریدا ہے یہ "اوج"

آج ان مغربی عورتوں کے پاس "حقوق نسواں" تو ہیں لیکن اس عفت وحیاء سے قلاش مغربی عورت کے پاس بقول جوش کچھ بھی نہیں بچا۔ ؎

نازکی' عزت' محبت آبرو کچھ بھی نہیں
نام تو ہے پھول لیکن رنگ وبو کچھ نہیں

مغربی ممالک اور امریکہ نے اس بہادر مسلم مشرقی خاتون کی مخالفت میں بہت کچھ کہا ہے۔ لیکن آیئے دیکھتے ہیں کہ وہاں حقوق نسواں کا کیا حال ہے؟ حال ہی میں امریکہ میں اسکے ایک اہم ادارہ میڈیکل ایسوسی ایشن کی تحقیقی رپورٹ کے مطابق ایک سال میں آٹھ لاکھ سے زائد خواتین کی جبراً آبروریزی کی جاتی ہے۔ تقریباً ہر پندرہ سیکنڈ بعد یہ مہذب ترقی یافتہ امریکی اپنی ہی ہم مذہب

ں و بہن کی عزت لوٹتے ہیں۔ اور ہر ڈھائی منٹ میں ایک عورت قتل کر دی جاتی ہے۔ اسی طرح نام مغربی ممالک میں عورتوں کے حقوق ساری دنیا سے زیادہ پامال کیے جاتے ہیں۔ کیا یہ مظالم نسانی اور عورت کے حقوق پامال کرنے کے زمرے میں نہیں آتے۔ صرف ہیلری کلنٹن کو طالبان (جو شریعت کے مطابق عورتوں کو باپردہ رہنے کا حکم دیتے ہیں) حقوق نسواں کے دشمن نظر آتے ہیں۔ ہیلری کو اپنا شوہر نامدار صدر کلنٹن نظر نہیں آتا۔ جسکے ساتھ ذلت و رسوائی کی درجنوں داستانیں ہر روز منظر عام پر آرہی ہیں۔ کیا یہ سب حقوق نسواں سلب کرنے کے ضمن میں نہیں آتے؟۔ ترک رکن پارلیمنٹ اور اس خاتون مشرق کے اس ایمانی مظاہرہ نے سیکولر ممالک مصر، تیونس، الجزائر، شام وغیرہ میں بھی ایک لرزہ برپا کر دیا ہے۔ وہاں کی عورتوں نے بھی نقاب کا مسئلہ از سر نو اٹھالیا ہے۔ گو کہ مغرب اور شیطان کے چیلے عورتوں کے پردے اور اسلام کی ابھرتی ہوئی فطری قوت کو دبانے کی ناپاک کوششوں میں مصروف ہیں۔ لیکن ان کی یہ تمام کوششیں انشاء اللہ تار عنکبوت ثابت ہونگی۔

آج امت مسلمہ میں اگر حکیم الامت علامہ اقبالؒ زندہ ہوتے تو اس جرأت رندانہ پردہ طرابلس کی فاطمہ بنت عبداللہ کی طرح کیا کچھ آپکی نذر نہ کرتے۔ ترک ناداں (مصطفیٰ کمال) نے خلافت اسلامیہ کی جو قبا سیکولرازم کے خنجر سے چاک کر دی تھی۔ اسلام کی اس بہادر بیٹی مروہ کوا کچی نے اس قبا کی کیا خوب رفوگری کی ہے۔ نقاب اور حجاب کا تقدس بلند کرنے پر ہم اس قابل فخر دختر اسلام کو سلام عقیدت پیش کرتے ہیں۔ جس نے بت کدہ میں اذان حق دے کر سیکولرازم کے بت میں دراڑیں ڈال دی ہیں۔ آج امت مسلمہ اور خصوصاً مشرقی خواتین کا سر فخر سے بلند ہو گیا ہے۔

اے شعاع ارض مشرق! تیرے عفت کا شعار
کج کرے گا ملک و ملت کی کلاہ افتخار

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وفیات

ادارہ

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ

مفتی اعظم سعودی عرب کی رحلت

ماہ رواں میں علم و فضل کے آسمان کے ماہ کامل شیخ عبدالعزیز بن بازؒ ہم سے ہمیشہ کیلئے او جھل ہوگئے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)۔ موت العالم موت العالم کا محاورہ حقیقی طور پر شیخ کی وفات پر ہی صادق آتا ہے۔ عالم اسلام کی جتنی خدمت اس درویش اور فقیر منش نابینا عالم نے کی اس کا عشر عشیر بھی اچھے خاصے تندرست و توانا اور صاحبان بصارت و بصیرت بھی نہ کر سکے۔ شیخ بن بازؒ حقیقی معنی میں اسلاف کی ایک زندہ تصویر تھے۔

۱۳۔ مئی ۱۹۹۹ء کو عالم اسلام کی اس عظیم شخصیت کا سانحہ ارتحال پیش آیا جو کہ ایک فرد کی موت نہیں بلکہ ایک ہمہ جہت ہستی کی وفات ہے۔ آپ ایک عظیم مفسر نابغہ روزگار محدث بے مثال متکلم اور بے عدیل فقیہ تھے۔ فقہ کے ہزاروں جزئیات آپ کو ازبر تھے۔ اور علم حدیث میں تو آپ ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان بے شمار خصوصیات نے آپ کو محبوبیت کا مقام عطا فرمایا تھا۔ اور نہ صرف سعودی عرب بلکہ تمام عالم اسلام آپ کے علم و فضل کا گرویدہ تھا۔ بڑے بڑے اجتماعات میں خطابات کے بعد آپ کے ساتھ سوال و جواب کی نشست ہوتی جس میں آپ مختلف النوع سوالات کے جوابات ایسے مدلل انداز سے دیتے کہ بے ساختہ آپ کیقوت استحضار اور بے مثال حافظہ کو داد تحسین دینی پڑتی۔ آپ کئی محققانہ کتابوں کے مصنف ہیں اور ہزاروں پمفلٹوں کی شکل میں آپ کی کئی تقاریر اور خطبات شائع ہوئی ہیں۔ آپ سعودی عرب کے مفتی اعظم تھے اور مدینہ یونیورسٹی کے پہلے وائس چانسلر بھی تھے۔ اس کے علاوہ کئی اور اہم اداروں کی سرپرستی دسربراہی کا

شرف بھی ان کو حاصل تھا۔باوجود علمی ودنیوی جلالت شان کے آپ انتہائی سادہ طبیعت کے
مالک تھے اور فقیرانہ درویشانہ زندگی کو دنیاوی جاہ وجلال پر ترجیح دیتے۔یقیناً آپ کے سانحہ ارتحال
سے علم وفضل کی دنیا میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا محال ہے۔ آپ کی وفات کی خبر جب
دارالعلوم پہنچی تو ایک صف ماتم بچھ گئی۔ اور تعزیت کیلئے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے اسباق
سے تعطیل کا اعلان کرواکر ایوان شریعت میں تعزیتی جلسہ کا انعقاد کیا اور وہاں پر ایصال ثواب کیلئے
قرآن خوانی کی گئی۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی
شاہ صاحب نے آپ کی شخصیت کے مختلف زاویوں پر روشنی ڈالی۔ ادارہ مملکت سعودیہ سے اس
عظیم سانحہ پر تعزیت کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا سبحان محمود رحمہ اللہ کا سانحہ ارتحال

گذشتہ ماہ "الحق" کا شمارہ پریس جاچکا تھا جو معلوم ہوا کہ دارالعلوم کراچی کے شیخ الحدیث اور پاکستان
کے نامور علمی شخصیت حضرت مولانا سبحان محمود صاحبؒ انتقال فرماگئے (اناللہ وانا الیہ
راجعون)۔ حضرتؒ کی وفات سے صرف دارالعلوم کا نہیں بلکہ پورے ملک وملت کے علمی
حلقوں کو نقصان پہنچا ہے۔ آپؒ کی ساری عمر دین اسلام کی خدمت میں صرف ہوئی۔ زندگی بھر علم
وآگہی کے مسند سے وابستہ رہے۔ تقریباً نصف صدی تک دارالعلوم میں دینی علوم اور خصوصاً
احادیث مبارکہ کا درس دیا۔ آپ کا علمی تبحر زہد وتقویٰ اور اوقات کی پابندی مثالی تھی۔ دارالعلوم
حقانیہ اس عظیم سانحہ پر دارالعلوم کراچی اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اور تمام
اساتذہ کے ساتھ اس غم میں برابر کا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولاناؒ کو اعلیٰ علیین میں جگہ
عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆☆

مولانا پروفیسر تقویم الحق کاکا خیلؒ کا انتقال

گذشتہ مہینہ ملک وملت کیلئے انتہائی غم اور حزن کا باعث ہوا۔ اس میں ہم سے بڑی بڑی علمی اور ادا
شخصیات ہمیشہ کیلئے بچھڑ گئیں۔ ان میں سر فہرست ملک کے نامور علمی اور ادبی شخصیت، محقق
اور نقاد، فاضل دار العلوم دیوبند جناب مولانا پروفیسر تقویم الحق صاحبؒ کی تھی۔ آپکی شخصیت کے
متعدد پہلو تھے۔ زندگی بھر درس وتدریس اور علمی، تحقیقی مشاغل میں مصروف رہے۔ دار العلو
دیوبند سے قبل از قیام پاکستان آپ نے امتیازی نمبروں کے ساتھ سند فراغت حاصل کی۔ شیخ
العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے خصوصی اور قریبی شاگردوں میں
آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپکی قابلیت، ذہانت، فطانت اور نکتہ آفرینی اور بذلہ سنجی مشہور تھی۔ دار العلوم
دیوبند میں زمانہ طالب علمی میں حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنی اور حضرت مولانا حامد میاںؒ او
دیگر صاحبزادگان کے ساتھ تمام درجوں میں امتحانات میں ہمیشہ آپ کا مقابلہ رہتا۔ اور اکثر امتیازی
نمبروں سے امتحانات میں کامیاب ہوتے۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ سے دار العلوم
دیوبند میں ہی کتابیں پڑھیں۔ پھر وطن واپسی کے بعد پشاور یونیورسٹی سے ایم پشتو اور ایم اے
اسلامیات کیا۔ اس کے بعد ہمیشہ کیلئے اسی یونیورسٹی کے ہوگئے۔ طبیعت میں جدت اور پروگریسیو
پن بھی اچھا خاصا تھا۔ اسی لیے دینی مدارس میں نہ ٹھہر سکے۔ لیکن پشاور یونیورسٹی میں علم وادب اور
خصوصاً اسلامیات کیلئے بہت کچھ کر گئے۔ ماہنامہ الحق کے بالکل ابتدائی شماروں سے آپ نے لکھنا
شروع کیا۔ اور علمی، تحقیقی موضوعات پر بے شمار مقالات لکھے۔ مرحومؒ کافی عرصہ سے صاحب
فراش تھے۔ پشاور میں آپ کا انتقال ہوا۔ نماز جنازہ میں بڑی تعداد میں علمی اور سرکاری شخصیات
نے شرکت کی۔ بعد میں آپ کا جسد خاکی پشاور سے آپ کے آبائی گاؤں زیارت کاکا صاحبؒ لایا گیا۔
مرحومؒ کی تدفین کے موقع پر حضرت والد صاحب مدظلہ اور راقم نے بھی شرکت کی سعادت
حاصل کی۔ مرحومؒ کی جدائی سے ملک اور خصوصاً صوبہ سرحد کی علمی اور ادبی شخصیات کی مجلس اپنے
صدر نشین سے ہمیشہ کیلئے محروم ہوگئی۔ خداوند کریم مرحومؒ کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا
فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

ر،ح

معروف صحافی جناب زیڈ۔اے سلہری اور ممتاز شاعر ضمیر جعفری کی جدائی

قیام پاکستان کے ممتاز کارکن اور ملک کے معروف و مشہور بزرگ صحافی اور معروف دانشور زیڈ اے سلہری بھیاس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ مرحومؒ کی ملک و قوم کیلئے بے پناہ خدمات ہیں۔ قیام پاکستان میں آپ نے بڑا مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ ہمیشہ اپنے قلم کی روشنی سے قوم کی رہنمائی کی۔ حکمرانوں کی غلط پالیسیوں پر ہمیشہ کھل کر لکھا۔ گو کہ پکے مسلم لیگی تھے لیکن تعصب اور تنگ نظری سے کوسوں دور تھے۔ اس لیے آپ نے ہمیشہ جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے جاری جدوجہد کی حمایت کی۔ خصوصاً شریعت بل اور دیگر اہم موقعوں پر آپ نے کھل کر حضرت والد صاحب مدظلہ کا ساتھ دیا۔ آپ نے دیانتدارانہ صحافت کی مثال قائم کی۔ عمر بھر انتہائی سادگی سے زندگی بسر کی۔ اگرچہ حکمران آپ کے آگے پیچھے رہتے لیکن کوئی مالی فائدہ آپ نے نہیں اُٹھایا۔ آپکی وفات بھی کرائے کے معمولی مکان میں ہوئی جس سے آپکی دیانتداری کا پتہ چلتا ہے۔ موجودہ زرخرید اور زرد صحافت کے علمبردار صحافیوں کیلئے آپکی شخصیت ایک نمونہ ہے۔ آپکی جدائی سے ملک اور صحافی برادری دونوں کو بڑا نقصان ہوا ہے۔

اس کے بعد ملک کے ممتاز و معروف شاعر اور مذاح نگار جناب ضمیر جعفری صاحبؒ بھی ہم کو چھوڑ کر عالم آخرت کی طرف سدھر گئے۔ مرحومؒ ایک بلند پایہ اور منفرد و یکتا بین الاقوامی اہمیت کے حامل شاعر تھے۔ اور مذاحیہ شاعری میں بھی متانت اور سنجیدگی کا دامن نہیں چھوڑا۔ مزاحیہ شاعری میں اکبر الہ آبادی مرحومؒ کے بعد آپ ان کے صحیح جانشین ثابت ہوئے۔ جعفری صاحب نے ہمیں ہمیشہ اپنی پر بہار شاعری سے ہنسایا اور اچانک ہی سب کو اپنی جدائی پر رونے پر مجبور کر دیا۔ دیکھیے آج کس موقع پر اس مزاح نگار شاعر کے درد اور حزن میں ڈوبے ہوئے حقیقی اشعار یاد آ رہے ہیں۔

درد میں لذت بہت اشکوں میں رعنائی بہت　اے غم ہستی تری دنیا پسند آئی بہت
ڈھونڈتی پھرتی ہے اب دشت و بیاباں میں ہمیں　زندگی ہم سے بچھڑ کر خود بھی پچھتائی بہت

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اکیسویں صدی کے چیلنجز اور عالم اسلام

ماہنامہ الحق کی اشاعت خاص کے عنوانات

قارئین اور مضمون نگار حضرات مندرجہ عنوانات میں سے جس موضوع پر لکھنا چاہیں تو ادارہ "الحق" کو آگاہ کریں۔

اکیسویں صدی اور عالم اسلام

(۱) ـ ـ میں عالم اسلام کا کردار
(۲) ـ ـ کے تقاضوں سے کیا عالم اسلام لیس ہے؟
(۳) ـ ـ میں عالم اسلام عصر حاضر کا مقابلہ کر سکے گا؟
(۴) ـ ـ کیا اسلام کی صدی ثابت ہوگی؟
(۵) ـ ـ میں کیا مسلم اتحاد کا خواب شرمندہ تعمیر ہو سکے گا؟
(۶) ـ ـ عالم اسلام، امریکہ اور مغرب کے تعلقات
(۷) ـ ـ اور ایٹمی پاکستان کا کردار
(۸) ـ ـ اور اقوام عالم کی تیاریاں
(۹) ـ ـ اور تحریک طالبان افغانستان
(۱۰) ـ ـ اور عالم اسلام کی اقتصادیات
(۱۱) ـ ـ میں عالم اسلام اور سائنس و ٹیکنالوجی
(۱۲) ـ ـ میں مسلم نوجوان کی ذمہ داریاں
(۱۳) ـ ـ میں آزادی قدس و فلسطین اور اسرائیل کے عزائم
(۱۴) ـ ـ اور تحریک آزادی کشمیر
(۱۵) ـ ـ پاک بھارت تعلقات کا جائزہ
(۱۶) ـ ـ میں اسلامی قیادت کا سنگین بحران
(۱۷) ـ ـ میں اسلامی جرائد، اخبارات یعنی دینی صحافت کیا کردار ادا کرینگے؟
(۱۸) ـ ـ میں علماء کا کیا کردار ہونا چاہئے؟
(۱۹) ـ ـ میں دینی مدارس کے اہمیت و افادیت
(۲۰) ـ ـ میں کیا دینی مدارس اکیسویں صدی کے تقاضے پورے کر رہے ہیں؟
(۲۱) ـ ـ اور عربی، انگریزی زبانوں کی اہمیت
(۲۲) ـ ـ میں عالم اسلام حاکم یا ہمیشہ کی طرح محکوم
(۲۳) ـ ـ میں اردو زبان کا مقام و مرتبہ
(۲۴) ـ ـ کا ادب اور اس کے جدید تقاضے
(۲۵) ـ ـ میں جدید تعلیم کا حصول اور شرح خواندگی میں اضافہ ناگزیر ہے
(۲۶) ـ ـ میں اسلام اور نیو ورلڈ آرڈر کا ٹکراؤ کیا متوقع ہے۔
(۲۷) ـ ـ میں ابھرنے والی بڑی طاقتوں کا

(۲۸) ۔ ۔اور متحدہ یورپ یعنی یوروا اور اسکے عزائم
(۲۹) ۔ ۔اور تیسری جنگ عظیم کے ممکنہ خطرات
(۳۰) ۔ ۔میں متوقع بڑی جغرافیائی ' سیاسی ' تمدنی تبدیلیاں
(۳۱) ۔ ۔اور جہاد
(۳۲) ۔ ۔ اور مواصلات
(۳۳) ۔ ۔میں عالم اسلام اور عالم نصرانیت کے تعلقات
(۳۴) ۔ ۔میں کیا عالم اسلام کو نئی صلیبی جنگوں کا خطرہ درپیش ہے ؟
(۳۵) ۔ ۔میں کیا بے حمیت مسلم حکمرانوں سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکے گا ؟
(۳۶) ۔ ۔میں کیا مظلوم قوموں کی دادرسی کی جاسکے گی ؟
(۳۷) ۔ ۔میں اقوام متحدہ کی حیثیت اور اسکے کردار کا تعین
(۳۸) ۔ ۔میں امریکہ کا کردار
(۳۹) ۔ ۔میں عالم اسلام کیلئے کمپیوٹر انٹر نیٹ اور جدید مواصلاتی ذرائع ابلاغ کا استعمال ناگیز ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بیسویں صدی ایک جائزہ

(۱) ۔ ۔ اور اسلامی تحریکات
(۲) ۔ ۔میں عالم اسلام کا کردار
(۳) ۔ ۔میں استعمار کے چنگل سے عالم اسلام کی آزادی
(۴) ۔ ۔میں عالم اسلام کے اہداف
(۵) ۔ ۔میں کیا وہ اہداف پورے ہوئے ؟
(۶) ۔ ۔میں عالم اسلام کی اقتصادی صورتحال
(۷) ۔ ۔کی ترقی میں عالم اسلام کا حصہ
(۸) ۔ ۔اور اسلامی انقلابات
(۹) ۔ ۔اور تحریک آزادی
(۱۰) ۔ ۔اور جہاد افغانستان
(۱۱) ۔ ۔اور دارالعلوم دیوبند کا کردار
(۱۲) ۔ ۔اور دارالعلوم حقانیہ کا کردار
(۱۳) ۔ ۔اور اسلامی ادب
(۱۴) ۔ ۔اور مسلم حکمران
(۱۵) ۔ ۔اور تحریک پاکستان
(۱۶) ۔ ۔عالم اسلام اور سائنس
(۱۷) ۔ ۔اور عالم اسلام کی جہادی تحریکات
(۱۸) ۔ ۔اور مشاہیر امت کے کارنامے
(۱۹) ۔ ۔میں دینی صحافت کا کردار کیا رہا ؟
(۲۰) ۔ ۔اور تحریک طالبان افغانستان

مولانا محمد شہاب الدین ندوی صاحب (بنگلور (انڈیا)

سائنسی میدان میں مسلمانوں کا عروج وزوال اور اس کے اسباب واثرات اور تلافی مافات

(آخری قسط)

مسلم حکومتوں کا زوال اور اس کے نتائج : سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں موجودہ مسلم معاشرہ کی پس ماندگی میں بعض تاریخی اسباب کارفرمانظر آتے ہیں اور اس سلسلہ میں سب سے بڑا عامل یہ ہے کہ قرون وسطی میں مسلم حکومتوں کے زوال کے باعث مسلم معاشرہ کا سائنسی علوم سے رشتہ پوری طرح ٹوٹ چکا ہے، جسکی وجہ سے نہ صرف عالم اسلام سخت نقصان سے دوچار ہوا بلکہ اس کے منفی اثرات سے مسلم معاشرہ بھی بچ نہیں سکا ہے۔ واضح رہے سائنسی علوم میں اہل اسلام کی پس ماندگی محض دنیوی اعتبار ہی سے نہیں بلکہ دینی وشرعی اور فکری نظریاتی اعتبار سے بھی ہے۔ دنیوی اعتبار سے ظاہر ہے کہ جو قوم مادی علوم میں پیچھے ہو جائے وہ تمدنی، عسکری اور سیاسی میدان میں بھی دیگر قوموں سے پیچھے ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ علوم آج قوت وطاقت اور رُعب ودبدبے کا مظہر قرار پاچکے ہیں اور جہاں تک دینی وشرعی معاملات کا تعلق ہے تو جدید علوم ومسائل کی روشنی میں فطرت وشریعت کے درمیان تطبیق دیکر مسلم معاشرہ میں توازن قائم رکھنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے تاکہ فکری ونظریاتی اعتبار سے اہل اسلام اور خاص کر نوجوان طبقے کو قابو میں رکھا جاسکے ورنہ فطرت وشریعت میں تناقص کے باعث معاشرہ میں فکری انتشار پیدا ہو سکتا ہے۔ باالفاظ دیگر دین ودنیا میں تفریق کے باعث معاشرہ پر منفی اثرات پڑتے ہیں جو دین سے برگشتگی کا باعث ہو سکتے ہیں، اسی لئے اسلام جیسے دین فطرت نے دوراندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے فطرت وشریعت دونوں میدانوں میں جامع ہدایات دے کر مسلم معاشرہ کی ہر اعتبار سے رہنمائی کی ہے۔ مگر قرون وسطی میں مسلم حکومتوں کے زوال کے باعث مسلم معاشرہ میں جو ہمہ جہتی زوال آیا تو اس کے نتیجے میں نہ صرف عالم اسلام کو سخت نقصان پہنچا بلکہ مسلم معاشرہ بھی پس ماندہ بن کر فکری انتشار اور

قنوطیت کا شکار بن گیا، مگر اس سلسلے میں سب سے زیادہ تلخ حقیقت یہ ہے کہ علمائے اسلام کی عقلیں تک ماند پڑ گئیں اور وہ کتاب الٰہی کی روشنی میں اُمت مسلمہ کی صحیح رہنمائی کرنے سے عاجز ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے دین و شریعت کا ایک محدود دائرہ بنا کر اسلام کی تمدنی واجتماعی تعلیمات کو بالکل نظر انداز کر دیا، گویا کہ کتاب الٰہی میں ان کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ اس اعتبار سے آج اسلام کا دائرہ محض عبادات واخلاق اور چند معاملات زندگی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، حالانکہ اسلام ایک مکمل دین اور مکمل تہذیب کا حامل ہے اور وہ جسطرح شرعی واخلاقی معاملات میں اہل اسلام کی رہنمائی کرتا ہے بالکل اسی طرح وہ تمدنی واجتماعی معاملات میں رہنمائی کرنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اسلام کے مکمل دین ہونے کا جو اعلان کیا گیا ہے وہ ہر حیثیت سے ایک کامل دین ہونے کا مظہر ہے:

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" آج میں نے تمھارے لئے تمھارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو تمھارے لئے بحیثیت ایک دین کے پسند کر لیا ہے۔ (مائدہ : ۳) اس سلسلے میں امام شافعیؒ کا دعویٰ تھا کہ جب بھی کسی مسلمان کو کوئی مسئلہ پیش آجائے تو اسکا حل کتاب اللہ میں ضرور مل جائے گا۔

قال الشافعی : فلیست تنزل بأحدمن أهل دین الله نازلة' الاوفی کتاب الله الدلیل علی سبیل الهدی فیها۔ (۱) اور یہ مسائل صرف دینی و شرعی معاملات ہی سے متعلق نہیں بلکہ وہ تمام فکری و نظریاتی اور تمدنی واجتماعی معاملات سے بھی متعلق ہیں اور اس اعتبار سے کتاب الٰہی میں ہر مسئلے اور ہر قضیہ کا حکم موجود ہے کیونکہ ایک مؤمن و مسلم صرف حکم الٰہی ہی کا پابند ہے اسلئے ارشاد باری تعالیٰ ہے : ان الحکم الاالله' یقص الحق وهوخیرالفاصلین "حکم کرنا صرف اللہ کا کام ہے' یہ حق بات بیان کرتا ہے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (انعام : ۵۷)"

ان الحکم الاّلله ' امرالاتعبدو ا الاایاه' ذلک الدین القیم : حکم صرف اللہ ہی کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی بندگی کی جائے۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ (یوسف : ۴۰)

(۱)۔ الرسالۃ' ایڈٹ کردہ احمد محمد شاکر' ص ۲۰' مطبوعہ مصر' ۱۹۷۹ء نیز ملاحظہ ہو : الاتقان فی علوم القرآن' جلال الدین سیوطی' ۲/۱۶۰' مصر' ۱۹۷۸ء

خلافت ارض اور علم الاشیاء : الغرض مسلم معاشرہ کی اس پسماندگی کا بنیادی اور سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اہل اسلام نے مجموعی اعتبار سے اس علم کو بھلادیا جس پر قرآنی نقطہ نظر سے "خلافت ارض" کا دارومدار ہے یعنی "علم الاشیاء" یا قرآن کی اصطلاح میں "علم الاسماء" جس میں رُسوخ حاصل کئے بغیر دین وشریعت کو استحکام حاصل نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ علم دین وشریعت کے لئے ایک باڈی گارڈ کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ علم انسان اول (حضرت آدم علیہ السلام) کو نہ صرف آپکی تخلیق کے فوراً بعد عطا کردیا گیا بلکہ اس کی تدریس علم شریعت پر بھی مقدم رکھی گئی اور پھر مزید یہ کہ اس علم سے مشرف ہونے کی بدولت آپ کو فرشتوں پر فضیلت بھی دے دی گئی۔ یہ علم کیا تھا سوائے اشیائے عالم کے "ناموں" کے ؟۔" وعلم آدم الاسماء کلھا" : اور اس نے آدمؑ کو تمام چیزوں کے نام بتادئے (بقرۃ : ۳۱)۔ مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ تمام چیزوں اور انکے ناموں سے مراد کل مخلوقات وموجودات کے نام، انکے خواص وتاثیرات اور انکے دینی ودنیوی حیثیت سے منافع کا علم ہے۔ (۲) اور یہی وہ چیزیں اور ان کے خواص وتاثیرات (فزیکل پراپرٹیز) ہیں جو جدید سائنسی علوم کا موضوع بحث ہیں۔ باالفاظ دیگر جدید سائنسی علوم جن چیزوں سے بحث کرتے ہیں ان کا تعلق یا تو جمادات وسماوات سے ہے یا پھر حیوانات ونباتات سے۔ لہذا سائنسی علوم کا دائرہ مخلوقات الٰہی سے باہر نہیں ہے۔ اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان اول کو اس علم کی تعلیم کس لئے دی اور اسکی غرض وغایت کیا ہے؟ تو اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے چونکہ حضرت آدمؑ کو زمین پر خلیفہ بنا کر پیدا کیا گیا تھا اسلئے ضروری تھا کہ جو ہستی زمین پر خلیفہ بن کر آنے والی ہو وہ پہلے زمینی اشیاء سے صحیح صحیح تعارف حاصل کرلے، تاکہ موجودات عالم سے ناواقفیت کے باعث وہ کسی مشکل یا خطرے میں نہ پڑ جائے۔ اسی لئے باری تعالیٰ نے خلیفہ اول کو نظریاتی اعتبار سے تمام چیزوں کے "نام" اور انکے "کام" پہلے ہی سے بتادئے تاکہ وہ ان اشیاء کا صحیح استعمال بھی کرسکے۔ چنانچہ اس واقعہ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جو قوم اشیائے عالم

(۲)۔ خلاصہ از تفسیر ابن جریر: ۱/ ۱۷۰، تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۷۳، تفسیر کشاف: ۱/ ۲۷۲، تفسیر کبیر: ۲/ ۱۹۳، احکام القرآن جصاص رازی: ۱/ ۳۱، تفسیر المنار: ۱/ ۲۶۲

اور انکے "خواص و تاثیرات" (فزیکل پراپرٹیز) کو یاد رکھے گی وہ زمین پر حیثیت خلیفہ برقرار رہے گی اور اسکی دھاک دیگر قوموں پر قائم ہو جائے گی جس طرح کہ حضرت آدمؑ کو اس سے مشرف ہونے کے باعث فرشتوں پر فضیلت عطا کی گئی تھی۔ بالفاظ دیگر جو قوم اس علم سے تہی مایہ ہو وہ اس علم میں برتر قوموں کی دست نگر بن کر رہ جائے گی (۳)۔ چنانچہ آج یہ صورتحال واضح طور پر ہمارے سامنے موجود ہے اور اس کیلئے مثالیں پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آج مسلم معاشرہ میں جو فکری انتشار اور مسلم نوجوانوں میں جو مایوسی کے جذبات پائے جاتے ہیں وہ اس علم کو فراموش کر دینے ہی کے نتیجے میں ظہور پزیر ہوئے ہیں اور یہ وہ علم ہے جو ہمارے دین و دنیا دونوں کی بھلائی کا ضامن تھا اور ہے۔ لہذا اہل اسلام جب تک اس علم سے چھوت چھات برتتے رہیں گے ان کی مایوسی اور بے چارگی کا یہی عالم رہے گا، کیونکہ یہ علم فکری، شرعی، تمدنی، اجتماعی، سیاسی اور بین الاقوامی ہر لحاظ سے انتہائی اہم اور قوموں کی کامیاب زندگی کا ضامن ہے۔ لہذا جو قوم اس علم سے عاری ہو جائے وہ زمین پر خلیفہ کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی۔ اس لحاظ سے امت مسلمہ اور خاص کر نوجوان طبقہ کو دوبارہ دنیا کے اسٹیج پر لانے کیلئے ضروری ہے کہ مسلم معاشروں میں "علم الاشیاء" یا "علم الاسماء" کا پھر سے پرچار کیا جائے، یعنی "علم آدم" سے دوبارہ اپنا رشتہ استوار کیا جائے، تاکہ ہماری کھوئی ہوئی شان و شوکت اور عظمت رفتہ دوبارہ حاصل ہو سکے۔

بعض تاریخی حقائق : یہ قرآن عظیم کی مثبت رہنمائی ہی کا نتیجہ تھا کہ قرون وسطی میں امت مسلمہ نے سائنس کے میدان میں زبردست کامیابیاں حاصل کیں اور علمی دنیا کو علوم و فنون اور جدید سائنس کا تحفہ دیا۔ جدید سائنس کی ابتداء قرون وسطی میں اہل اسلام ہی کی تحقیقات سے ہوئی ہے۔ چنانچہ آٹھویں صدی سے لے کر تیرہویں صدی عیسوی تک اس میدان میں ان کا کوئی مدمقابل نہیں تھا۔ بلکہ اس دور میں یورپ جہالت کی تاریکیوں سے گزر رہا تھا، پھر مسلمانوں کی علمی ترقیوں کی بدولت مغربی قوموں میں بھی رفتہ رفتہ بیداری آئی اور وہ بھی علوم و فنون اور تسخیر کائنات

---

(۳)۔ یہ بحث راقم سطور کی کتاب "اسلام کی نشاۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں" کا خلاصہ ہے جو مجلس نشریات اسلام کراچی سے شائع ہو چکی ہے۔

کے میدان میں آگے بڑھنے لگیں۔ چنانچہ چودھویں صدی سے سولہویں صدی عیسوی کے عرصے میں یورپ میں علمی احیاء کا عمل ظاہر ہوا، جو اس کا "دوراحیاء" (RENAISSANCE) کہلاتا ہے، پھر اسکے بعد جس رفتار سے یورپ علمی وفنی میدان میں ترقی کرتا گیا، اسی رفتار سے عالم اسلام اس میدان میں پیچھے ہوتا گیا کیونکہ اس دوران مسلم حکومتیں سیاسی وعسکری میدان میں پسپا ہو چکی تھیں اور اس سلسلے میں زوال اسپین (۱۴۹۲ء) سلطنت اسلامیہ کے زوال کی آخری کڑی تھی۔ اس حادثہ فاجعہ کے بعد عالم اسلام پر پوری طرح جمود طاری ہو گیا اور یہ ایک دلخراش تاریخی حقیقت ہے۔

اُمت مسلمہ کا سنہرا دور : بہر حال امت مسلمہ نے قرآنی دعوت فکر سے سیراب ہو کر جدید سائنسی علوم کی جو بنیاد ڈالی اور تجربات و مشاہدات کے ذریعہ جو علمی کارنامے انجام دئے وہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ چنانچہ خاص کر بغداد، سسلی اور قرطبہ وغیرہ میں سائنسی تجربہ گاہیں، رصدگاہیں اور علمی مراکز قائم کر کے طبیعی اور حیاتیاتی علوم کو خوب ترقی دی اور ریاضیات، ہندسہ، فلکیات، طب، نباتیات، کیمیا اور طبیعیات وغیرہ میں تجربات کر کے ہزاروں کتابیں تصنیف کیں۔ قدیم یونانی سائنس کو تجربے و مشاہدے کی کسوٹی پر پرکھ کر کھرے اور کھوٹے کو الگ کیا جو محض نظریات و مفروضیات پر مبنی تھی اور اس سلسلہ میں وہ بنیادی طور پر قرآنی فکر اور اس کی ثقافت سے متاثر تھے، جو ہر چیز کو تجرباتی و مشاہداتی نظر سے دیکھنے پر زور دیتا ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر بعض قرآنی آیات پچھلے صفحات میں گزر چکی ہیں۔ اس لحاظ سے اُمت مسلمہ نے قرآنی دعوت کے مطابق ایک نئے طرز فکر کی بنیاد ڈالی اور عالم انسانی کو تجرباتی علوم کا تحفہ دیا اور یہ نیا علم دین و شریعت کے سائے میں پھلنے پھولنے لگا، جس کی وجہ سے مسلم معاشرے میں اس علم سے کبھی تنفر پیدا نہیں ہوا، بخلاف خالص فلسفیانہ مسائل کے جو اکثر و بیشتر دین و شریعت سے متعارض تھے اور اس سلسلے میں فقہاء و محدثین کو "علم کلام" سے جو چڑھ تھی وہ صرف فلسفیانہ مسائل کی وجہ سے تھی، نہ کہ نظام فطرت سے متعلق تجرباتی و مشاہداتی حقائق سے، کیونکہ نظام فطرت سے متعلق اکتشافات تو عین قرآنی دعوت فکر کے مطابق ہوتے ہیں جن سے اصول دین کا اثبات مقصود ہے۔

فطرت و شریعت میں تعارض نہیں ہے : جیسا کہ اوپر گزر چکا علمائے متقدمین اور خاص کر

امام غزالیؒ، امام رازیؒ اور امام ابن تیمیہؒ نے فطرت و شریعت میں مطابقت ثابت کر کے اہل اسلام کی صحیح رہنمائی کی ہے اور اس باب میں خصوصیت کے ساتھ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ اور ان کی دیگر تحریریں بصیرت افروز ہیں۔ چنانچہ موصوف نے اس سلسلہ میں ایک قیمتی اور زرین اصول یہ بیان کیا ہے کہ عقل صحیح اور نقل صحیح میں کبھی تعارض نہیں ہو سکتا، یعنی عقل و تجربے کی رو سے ایسی کوئی حقیقت ثابت نہیں کی جاسکتی جو دین و شریعت سے ٹکرانے والی ہو، سوائے ان چیزوں کے جن میں کسی قسم کا اشتباہ یا اضطراب موجود ہو: "النصوص الثابتة فی الکتاب والسنة لایعارضها معقول بین قط، ولا یعارضها الا ما فیه اشتباه و اضطراب (۴)

اس اعتبار سے فطرت و شریعت میں تطبیق کا عمل ہر دور میں جاری رہنا چاہئیے، تاکہ دین الٰہی کی برتری ہمیشہ ظاہر ہوتی رہے اور مسلم معاشرہ کبھی احساس کمتری میں مبتلا ہونے نہ پائے۔ مگر عصر جدید میں قدیم طرز فکر کے علماء نے اپنی کوتاہ فہمی کی بناپر جب قرآن اور جدید علوم میں تطبیق کی مخالفت کرتے ہوئے اسلام کو جدید علوم و مسائل سے لاتعلق قرار دے دیا تو اس کے منفی اثرات مسلم معاشروں پر پڑے، جن کی وجہ سے فکری انتشار اور ایک نئی قسم کی تشکیک نے جنم لیا۔

لہذا اس منفی طرز عمل کو ترک کر کے مثبت طرز عمل اپنانے کی ضرورت ہے۔

محققین کے اعترافات: بہر حال اہل اسلام نے اپنے سنہرے ادوار میں تحقیقات و تجربات کے ذریعہ جو علمی کارنامے انجام دئے ہیں ان کا اعتراف بہت سے مغربی و مشرقی مفکرین اور اہل قلم نے کھلے ذہن کے ساتھ کیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں تاریخ عرب کا مصنف فلپ کے حتی لکھتا ہے: "آٹھویں اور تیرہویں صدی کے درمیان عربی بولنے والے ہی پوری دنیا میں تہذیب و تمدن کے مشعل بردار رہے ہیں۔ مزید براں وہی قدیم سائنس اور فلسفے کی بازیافت کا واسطہ بھی بنے۔ پھر ان علوم میں اضافہ کر کے انہیں اس طور پر منتقل کیا کہ (انہی کے باعث) مغربی یورپ کی نشاۃ ثانیہ ممکن ہو سکی۔ اس پورے عمل میں عربی اسپین (اندلس) کا بہت نمایاں حصہ ہے"۔ (۵)۔

---

(۴)۔ موافقة صحیح المنقول لصریح المعقول، از ابن تیمیہ: ۱/۱۲۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۸۵ء، نیز ملاحظہ ہو فتاویٰ ابن تیمیہ: ۶/۵۵۷، مطبوعہ دار الافتاء ریاض۔ (۵)۔ ہسٹری آف دی عربس، از فلپ کے حتی، ص ۵۵۷ دسواں ایڈیشن، مطبوعہ لندن، ۱۹۷۰ء

یہی مصنف ایک دوسری جگہ تحریر کرتا ہے: "عرب فضلاء نے صرف چند دہوں میں وہ سب کچھ حاصل کرلیا جس کو فروغ دینے میں یونانیوں نے صدیاں لگادی تھیں" (۶)۔ سائنسی میدان میں مسلمانوں کے تفوق اور برتری کا اعتراف انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں اس طرح کیا گیا ہے: "تقریباً ایک ہزار سال کے دوران سائنس یورپ میں خوابیدہ حالت میں رہی اور عربوں نے جنھوں نے نویں صدی عیسوی میں اپنا دائرہ عمل اسپین تک بڑھالیا تھا، سائنس کے محافظ ونگران رہے اور انہوں نے حیاتیاتی علوم میں بھی غلبہ حاصل کرلیا جیسا کہ انہوں نے دیگر علوم وفنون میں بھی فوقیت حاصل کرلی تھی"۔ (۷)

مشہور عرب فاضل جرجی زیدان نے فن طب میں اہل اسلام کے کارناموں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ: "مسلمانوں نے یونانیوں، فارسیوں، اہل ہند اور کلدانیوں کی طب کو جمع کرکے اس میں بہت زیادہ اضافہ کیا جیسا کہ ان کی طبی کتابوں کی مراجعت سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ بطور مثال وہ اکثر وبیشتر جالینوس یا بقراط کی رائے بیان کرنے کے بعد اس پر تنقید کرتے ہوئے اس کی غلطی واضح کرتے اور صحیح بات بیان کرتے ہیں اور جن کتابوں کا انہوں نے ترجمہ کیا اور ان کی ترتیب وتبویب میں جو جدت دکھائی وہ اس کے علاوہ ہے۔ نیز اسی طرح انہوں نے قدماء کی کتابوں کی شرحیں اور ان کے ضمیمے تحریر کرنے کا فن بھی ایجاد کیا۔ چنانچہ ابن جلجل نے "دیقوریدس" کی کتاب کے ضمیمے میں ایسے عقاقیر کا تذکرہ کیا ہے جنہیں قدماء نہیں جانتے تھے" (۸)

مصری عالم احمد امین مسلمانوں کے نئے نئے اکتشافات کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ: "عربوں نے حساب، الجبرا، ہندسہ، فلکیات اور میکانکس وغیرہ میں مہارت حاصل کی۔ انہوں نے اہل یونان اور اہل ہند کے علوم سے استفادہ کیا۔ چنانچہ ان کی زندگی کے خاص تجربے نے ایسے اکتشافات کی طرف ان کی رہنمائی کی جو یونانیوں کے نزدیک معروف نہیں تھے۔ اور اس سلسلہ میں اکثر انصاف پسند مستشرقین نے ان کی بہت سی ایجادات کا اعتراف کیا ہے جن سے یونانی اور ہندی

---

(۶)۔ ہسٹری آف دی عربس، از فلپ کے حتی، ص ۳۰۷ دسواں ایڈیشن، مطبوعہ لندن، ۱۹۷۰ء

(۷)۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا: ۲/۱۰۱۸، ایڈیشن ۱۹۸۳ء (۸)۔ تاریخ التمدن الاسلامی، از جرجی زیدان: ۲/۲۰۲، بیروت،

ناواقف تھے۔(۹) مشہور مغربی مفکر محمد اسد (سابق لیوپولڈ ویس) عربوں کے کارناموں اور انکی عبقریت پر روشنی ڈالتے ہوئے صاف تحریر کرتے ہیں کہ :"عربوں نے قدیم یونانی علوم کے احیاء کے سلسلے میں جو کچھ کیا وہ بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے پوری جدت کے ساتھ اپنے لئے ایک نئی علمی دنیا پیدا کی اور بحث کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے اور انہیں بہتر بنایا۔ پھر انہوں نے اس پورے عمل کو مختلف واسطوں سے مغرب تک پہنچایا۔ لہٰذا جب ہم یہ کہیں تو کوئی مبالغہ نہیں ہو سکتا کہ وہ نیا علمی دور جس میں آج ہم سانس لے رہے ہیں' اس کا افتتاح نصرانی یورپ کے شہروں میں نہی بلکہ دمشق' بغداد' قاہرہ اور قرطبہ جیسے اسلامی مرکزوں میں ہوا ہے"(۱۰)

سائنس اور معاشرہ : اس بحث سے بخوبی واضح ہو گیا کہ جدید تجرباتی علوم کی اساس و بنیاد ڈالنے اور انہیں ترقی دینے والے عرب مسلمان تھے۔ اور مسلمانوں کو اس راہ پر ڈالنے والا اسلام کا صحیفہ قرآن عظیم ہے۔ مگر اس موقع پر یہ حقیقت بھی واضح رہے کہ اس سائنسی علوم کی ترقی کی بدولت کسی بھی معاشرے پر ان کے اثرات پڑنا لازمی رہتا ہے' کیونکہ کوئی بھی معاشرہ سائنسی علوم کے اثرات سے آزاد نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا اس موقع پر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام جدید سائنسی علوم کی ترقی کے نتیجے میں کون سے فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے ؟ اور اسکے کیا اغراض و مقاصد ہیں ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسکے بہت سے اغراض و مقاصد ہیں' جن میں سے بعض یہ ہیں :

(الف) اس عمل کے ذریعہ انسانی معاشروں میں سائنسی طرز فکر اور سائنسی مزاج پیدا ہو سکے, جسکے باعث مظاہر پرستی اور تاریک خیالی کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ (ب) نظام کائنات میں پنہاں اللہ کی نشانیاں (دلائل ربوبیت) منظر عام پر آجائیں' جسکے نتیجے میں اسلامی عقائد و تعلیمات کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ (ت) غلط افکار اور مادہ پرستانہ فلسفوں کا ابطال ہو جائے جسکے باعث منکرین حق پر خدا کی حجت پوری ہوتی ہے۔ (ث) خلافت ارض کے مقاصد پورے ہوں, یعنی سائنسی علوم کی ترقی سے ایک طرف خدا کی نعمتیں ظاہر ہوں تو دوسری طرف مسلم معاشرہ طاقتور بھی ہو, تاکہ وہ فوجی

(۹) ظہر الاسلام' احمد امین : ۲/ ۱۹۸' پانچواں ایڈیشن' بیروت' ۱۹۶۹ء (۱۰)۔ الاسلام علی مفترق الطرق (اسلام ایٹ دی کراس روڈ کا عربی ترجمہ) ص ۴۳' بیروت' آٹھواں ایڈیشن' ۱۹۷۴ء۔

اور سیاسی میدان میں آگے بڑھ سکے اور وہ مادی قوتوں سے لیس ہو کر جہاد کے ذریعہ دنیا سے ظلم وعدوان کو ختم کر کے عدل وانصاف قائم کر سکے۔ (ج) فطرت وشریعت میں مطابقت کے باعث مسلم معاشرہ متوازن رہے اور اسکے نتیجے میں اہل اسلام اور خاص کر نوجوان طبقے کے فکر و نظر کا تزکیہ بھی ہوتا رہے جو دین وشریعت پر ثابت قدمی کا باعث ہوگا (د) روحانیت اور مادیت کے ملاپ سے ایک خدا پرستانہ تہذیب وجود میں آئے جو ایک مثالی اور آئیڈیل تہذیب اور افراط و تفریط سے پاک ہو۔ نیز اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں جنکی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

ارتداد کی ایک نئی لہر: اسلامی ممالک میں اگر یہ عمل قرون وسطیٰ سے لے کر موجودہ دور تک تسلسل کے ساتھ جاری رہتا تو مسلم معاشرہ سائنسی علوم کے ثمرات وحاصلات سے ضرور متمتع ہوتا اور وہ تمام مقاصد بھی ضرور پورے ہوتے جو اوپر مذکور ہو چکے ہیں اور اس عمل کے نتیجے میں وہ فکری انتشار ہرگز پیدا نہ ہوتا جو آج دین ودنیا کی تفریق کے باعث پایا جارہا ہے۔ چنانچہ مغربی ممالک کی اس میدان میں متاثر کرنے والی اور خیرہ کن ترقی کے باعث غیر ترقی یافتہ قومیں ان سے مرعوب ہو کر احساس کمتری میں مبتلا ہو چکی ہیں اور ترقی یافتہ قوموں کی ظاہری چمک دمک سے ان کی آنکھیں چکاچوند ہو چکی ہیں۔ لہذا وہ ان کے افکار و نظریات اور ان کے فلسفوں سے متاثر ہو کر انکی تقلید کرنا اور ان کی تہذیب اختیار کرنا اپنے لئے باعث فخر تصور کرتی ہیں۔ غرض آج پوری دنیا مغرب کی ساحری سے متاثر ہو کر اسے اپنا امام تسلیم کر چکی ہے اور اس کی تقلید کرنا اپنے لئے عزت و قار کا باعث سمجھتی ہے اور اس باب میں خود مسلمانوں کا وہ طبقہ اور خاص کر وہ نوجوان بھی شامل ہیں جو جدید علوم سے آراستہ ہو کر اسلامی ماحول اور اسلامی افکار واقدار سے دور ہو چکے ہیں اور مغربی تہذیب وتمدن کو اپنانے اور خود کو اس کے رنگ میں رنگ لینے ہی میں اپنی کامیابی اور نجات تصور کرتے ہیں اور ایسے لوگ مادی فلسفوں جیسے تشکیک، لاادریت، عقلیت، لادینیت، افادیت، لذتیت، اباحیت اور نظریہ ارتقاء وغیرہ پر یقین کرتے ہوئے دینی عقائد وافکار کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ اگرچہ مسلم گھرانوں اور مسلم ماحول میں بھی رہتے ہوں تب بھی ان کے اذہان پوری طرح "مغربی" نظر آتے ہیں اور ان کا چال چلن اور سوچنے سمجھنے کا انداز بھی

ری طرح مغربی بن کر رہ گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا ارتداد ہی ہے جسے ہم "ذہنی تداد" کہہ سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے آج جدید مادہ پرستانہ فلسفے پوری نوع انسانی کو "لوریاں" دے ے کر میٹھی نیند سلا رہے ہیں اور اخروی اعتبار سے اس کی "موت" کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔

جالی تہذیب اور اس کا کھوکھلا پن : مغربی ممالک کی موجودہ تہذیب روحانیت سے عاری لب بے خدا تہذیب ہے جو یونان کی مادہ پرستانہ تہذیب کا نیا روپ ہے اور وہ محض مادیت کے سارے اور ظاہری طور پر روشن اور چمکیلی نظر آتی ہے مگر اندر سے بالکل کھوکھلی اور گھناؤنی بن چکی ہے، جو خود غرضی، عیاشی، عیاری و مکاری، دہشت گردی، جنگ بازی، قتل و غارت گری اور انسان ئی پر یقین و ایمان رکھتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ مغربی معاشرہ خدا اور آخرت کو سر فراموش کر کے مادیات کے وادی میں کھو گیا ہے۔ اور بقول محمد اسد "اس کی عبادت گاہیں بڑے ے کارخانے، سینما گھر، کیمیائی تجربہ گاہیں، رقص و سرود کے مراکز اور بجلی کے پاور ہاؤس ہیں اور س کے پیشوا اہنگ کار، انجینئر، فلم ڈائریکٹر، صنعت و حرفت کے قائدین اور ہوا باز ہیں"۔ (۱۱)

غرض آج مغربی قومیں دنیوی عیش و عشرت میں مست و مگن ہو کر بدمستیوں اور ترمستیوں کے نئے نئے ذرائع اور نئے نئے وسائل کی تلاش و جستجو میں منہمک ہو چکے ہیں اور سوائے بطن و فرج کی آسودگی کے اور کوئی اعلیٰ وارفع مقصد ان کے پیش نظر نہیں ہے۔ گویا کہ یہ دو روزہ دنیوی عیش و آرام ہی ان کی جنت ہے۔

ع بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

دجالی فتنہ اور اس کی بعض علامتیں : یہ وہ نار فرنگ ہے جس میں آج سارا عالم جل رہا ہے اور کشاں کشاں موت کی وادی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ چنانچہ بعض احادیث میں یہ جو کہا گیا ہے کہ دجال کی جنت حقیقتاً دوزخ اور اس کی دوزخ حقیقتاً جنت ہو گی تو یہ بات آج مغربی ممالک کی دجالی تہذیب پر پوری طرح صادق آتی ہے اور اس کے علاوہ دجال کی بہت سی علامتیں بھی موجودہ مغربی تہذیب پر منطبق ہوتی ہیں۔ چنانچہ دجال کی ایک واضح علامت اس کا "کفر" بھی ہے جسے آج ہر شخص اپنے

۱۱) اسلام علی مفترق الطرق، محمد اسد، مترجم ڈاکٹر عمر فروخ، ص ۴۷۔۴۸

سر کی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح دجال کی ایک اور علامت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ کانا یعنی ایک آنکھ کا ہوگا، جو انگور کے دانے کی طرح ابھری ہوئی اور بے نور ہوگی۔ چنانچہ موجودہ دجالی تہذیب ہر چیز کو ایک آنکھ سے دیکھتی ہے اور دوسری آنکھ ہمیشہ بند رکھتی ہے۔ خاص کر دینی وروحانی حقائق کو جھٹلانے کے سلسلے میں اپنی "علمیت" بلکہ "علامیت" کا رعب جماتے ہوئے انتہائی عیاری ومکاری کے ساتھ ان کا انکار کرتی ہے اور لوگ اسکے جھانسے میں آکر دینی واخلاقی اقدار کو مجذوب کی ایک بڑ قرار دے کر ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ احادیث میں دجال کو اگرچہ ایک شخص یا ایک فرد قرار دیا گیا ہے جو غالباً بطور تمثیل ہے، لیکن اس کی بہت سی علامتیں موجودہ مغربی تہذیب اور اسکی ٹیکنالوجی پر صادق آتی ہیں، واللہ اعلم۔ بہر حال اس سلسلے کی چند احادیث ملاحظہ ہوں :

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : "کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا نہ ہو، لیکن میں تم سے اس کے بارے میں ایک ایسی بات بتاتا ہوں جسے کسی نبی نے بھی اپنی قوم کو نہیں بتایا۔ وہ کانا ہوگا۔ جب کہ اللہ کانا نہیں ہے" (۱۲)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : "دجال کی آنکھوں کے درمیان کفر یعنی کفر لکھا ہوا ہوگا"۔ (۱۳) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : "مسیح دجال داہنی آنکھ کا کانا ہوگا گویا کہ اس کی آنکھ انگور کے دانے کی طرح ابھری ہوئی (یا بے نور) ہوگی۔ (۱۴) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : "دجال داہنی آنکھ کا کانا اور گھنے بالوں والا ہوگا۔ اس کے ساتھ جنت اور دوزخ ہوگی، مگر اس کی دوزخ (حقیقتاً) جنت اور اسکی جنت (حقیقتاً) دوزخ ہوگی (۱۵) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : "دجال کے ہمراہ پانی اور آگ دونوں چیزیں ہوں گی، مگر اس کی آگ (درحقیقت) ٹھنڈا پانی ہے اور اس کا پانی آگ ہے۔ لہذا تم ہلاک نہ ہو جاؤ" (۱۶)۔

وقت کا سب سے بڑا جہاد : یہ ہے وہ دجالی فتنہ اور اسکی مہیب اور ہیبتناک شکل وصورت جو واقعۃً عالم اسلام کے سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں پیچھے ہو جانے کیوجہ سے آج ابھر کر سامنے آگیا ہے اور پورے عالم انسانی کو ہڑپ کرنے کیلئے ایک خوفناک اژدھے کیطرح پھنکارتے ہوئے

---

(۱۲) بخاری کتاب الفتن : ۸ / ۱۰۲، مطبوعہ استانبول، ۱۹۸۱ء (۱۳)۔ مسلم کتاب الفتن : ۴ / ۲۲۴۸، مطبوعہ ریاض، ۱۹۸۰ء (۱۴)۔ ایضاً ۴ / ۲۲۴۷ (۱۵)۔ صحیح مسلم : ۴ / ۲۲۴۹ (۱۶)۔ بخاری : ۸ / ۱۰۳، مسلم : ۴ / ۲۲۴۹

اپنے جبڑے پھاڑے پوری طرح تیار کھڑا ہے۔ لہٰذا اگر اُمت مسلمہ بیدار ہو کر وقت کے اس سب سے بڑے فتنے کے استیصال کیلئے کمر بستہ نہ ہوئی تو پھر دجالی تہذیب کا سیل رواں عالم اسلام سمیت پورے عالم انسانی کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جائے گا۔ اس فتنے کے استیصال کیلئے دو محاذوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ پہلا محاذ علمی واستدلالی ہے اور دوسرا سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان ہیں عالم اسلام کی پیش قدمی ہے، مگر ان دونوں میدانوں میں کام کرنے کیلئے اُمت مسلمہ کو سائنسی علوم میں پوری طرح رسوخ حاصل کرنا ضروری ہے ورنہ الحاد و مادیت کا جادو ٹوٹ نہیں سکتا۔ کیونکہ موجودہ "سائنس زدہ" اور "فلسفہ زدہ" قومیں سوائے "سائنسی زبان" کے کسی دوسری زبان میں بات کرنے کیلئے تیار دکھائی نہیں دیتیں۔ لہٰذا

"کلموا الناس علی قدر عقولهم"

(لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق گفتگو کرو) کے اصول کے مطابق عصر جدید کے انسان پر خود اس کی زبان اور منطق کے مطابق علمی واستدلالی میدان میں شکست دے کر خدا کی حجت خدا کی ابدی سنت کے مطابق پوری کرنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت اور سب سے بڑا جہاد ہے۔ اسی بنا پر باری تعالیٰ نے اپنی کتاب حکمت کو ہر قسم کے علمی و عقلی دلائل سے لیس کر دیا ہے تاکہ وہ ہر دور کے تقاضے کے مطابق اپنا رہبرانہ کردار ادا کرتے ہوئے نوع انسانی کی ہدایت کا باعث بن سکے۔ لہٰذا اب یہ فریضہ اہل اسلام پر عائد ہوتا ہے کہ وہ اس سلسلے کے تمام مسائل کا جائزہ لے کر پوری بیدار مغزی کے ساتھ عصر جدید کے اس سب سے بڑے چیلنج سے نپٹنے کیلئے ایک حکمت عملی تیار کریں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اعتذار

"الحق" کے سابقہ شمارہ (اپریل/مئی 1999ء) میں جناب مولانا شہاب الدین ندوی مدظلہ کے مضمون کے ساتھ سہواً قسط نمبر 2 لکھا گیا تھا۔ جو کہ درحقیقت قسط نمبر 1 ہے اور اسی طرح ہمارے محترم قاری حافظ عبدالوحید الحسینی نے اسی مضمون میں پروف کی بعض اہم غلطیوں کی طرف ہماری توجہ دلائی ہے جس پر ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ ادارہ اس سہو پر قارئین سے معذرت خواہ ہے۔

(ادارہ)

جناب اظہر جاوید صاحب
لیکچرر شعبہ قانون بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی 'اسلام آباد

ولیمہ پر پابندی کا قانون اور شرعی نقطہ نظر

ایک عرصے سے ہمارے ملک میں یہ روایت بڑی مضبوط ہو چکی ہے کہ بر سر اقتدار آنے والی ہر حکومت ملک میں موجود تمام تر خرابیوں کی ذمہ داری سابقہ حکومت کے سر ڈال دیتی ہے۔ ملک کی اقتصادی اور معاشی بدحالی کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے' واویلا کیا جاتا ہے کہ خزانہ خالی ہے اور ملک تباہی کے دھانے پر پہنچ چکا ہے۔ عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ان تمام تر مسائل پر صرف موجودہ حکومت ہی اپنی پالیسیوں کے ذریعے قابو پا سکتی ہے۔ عوام کو امن وامان کی بحالی اور معاشی خوشحالی کے سبز باغ دکھائے جاتے ہیں۔ اسی طرح دو تین سال کا عرصہ گزر جاتا ہے پھر اسمبلیاں ٹوٹ جاتی ہیں' حکومت ختم ہو جاتی ہے اور آنے والی نئی حکومت پھر وہی راگ الاپنا شروع کر دیتی ہے۔ ۱۹۹۶ء کے انتخابات میں میاں محمد نواز شریف کی مسلم لیگ عوام کے بھاری مینڈیٹ کے ساتھ کامیاب ہو کر اقتدار میں پہنچی تو صورتحال کچھ اسی طرح بیان کی گئی' عوام کو باور کرایا گیا کہ ملک تباہ ہو چکا ہے' خزانہ خالی ہے اور سابقہ حکمرانوں نے کرپشن اور لوٹ مار کے تمام ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ ایسی صورتحال میں صرف مسلم لیگ ہی پاکستان کو بچا سکتی ہے۔ چنانچہ خود انحصاری اور سادگی اختیار کرنے کے نعرے بلند کیے گئے۔ غیر ملکی قرض ادا کرنے کیلئے "قرض اتارو ملک سنوارو" مہم شروع کی گئی۔ کشکول توڑنے اور عالمی مالیاتی اداروں سے قرض حاصل نہ کرنے کا اعلان کیا گیا اور پھر واقعی کشکول توڑ دیا گیا لیکن یہ خود انحصاری کے جذبہ کے تحت نہیں توڑا گیا بلکہ کشکول چھوٹا اور ہماری ضرورتیں بڑی تھیں اس لیے چھوٹا کشکول توڑ کر ایک بڑا کشکول حاصل کر لیا گیا۔

حکمرانوں نے عوام کو سادگی اختیار کرنے کی تلقین کی اور حکومتی سطح پر بھی سادگی اپنانے اور حکومتی اخراجات میں کمی کا اعلان کیا گیا۔ اس اعلان کا تمسخر خود حکومت نے ملکہ برطانیہ اور سعودی عرب کے ولیعہد شہزادہ عبداللہ کے دورہ پاکستان کے موقع پر استقبالی تقریبات اور

ضیافتوں پر قومی سرمائے کو پانی کی طرح بہا کر اڑایا۔ رہی سہی کسر وزیراعظم پاکستان کے دورہ امریکہ کے موقع پر پوری کر دی گئی۔ ان مواقع پر قومی سرمائے کا جس بے دردی سے ضیاع کیا گیا وہ موجودہ حکومت کے روشن کارناموں میں سے ایک کارنامہ ہے جسکی بازگشت ملکی ذرائع ابلاغ کے علاوہ بین الاقوامی ذرائع ابلاغ میں بھی سنی گئی۔ سادگی کی مہم کے سلسلے میں شادی بیاہ پر کھانا کھلانے کی پابندی کا قانون بنایا گیا۔

۱۵۔ مارچ ۱۹۹۷ء کو اس وقت کے صدر مملکت جناب فاروق احمد خان لغاری نے ایک آرڈیننس کے ذریعہ شادی بیاہ کی تقریبات کے موقع پر کھانا پیش کرنے پر دو سال کے عرصہ کیلئے پابندی عائد کر دی۔ اس آرڈیننس کی دفعہ نمبر 4 کے ذریعہ شادی بیاہ کی تقریبات میں چاہے وہ ہوٹل میں ہوں، شادی ہال، کلب، کمیونٹی سنٹر یا کسی کھلی جگہ پر ہوں ہر قسم کی کھانے پینے کی اشیاء پیش کرنے پر پابندی لگادی گئی اور صرف ٹھنڈے یا گرم مشروبات پیش کرنے کی اجازت دی گئی۔ اسی آرڈیننس کی دفعہ نمبر 7 کے تحت اس قانون کی خلاف ورزی کو جرم قرار دیا گیا اور مجرم کو ایک لاکھ روپے سے لیکر تین لاکھ روپے تک جرمانہ کی سزا کا مستوجب قرار دیا گیا۔ چونکہ یہ پابندی صرف دو سال کے لیے تھی اور اس کی معیاد مارچ ۱۹۹۹ء میں ختم ہو رہی تھی اس لیے ۴ دسمبر ۱۹۹۸ء کو موجودہ صدر مملکت جناب محمد رفیق تارڑ نے ایک دوسرے آرڈیننس کے ذریعہ اس پابندی کو پانچ سال کے عرصہ تک بڑھا دیا ہے اور سابقہ آرڈیننس کی دفعہ نمبر 3 میں ذیلی دفعہ "د" کا اضافہ کر کے شادی بیاہ کی تقریبات کیلئے وقت کا تعین بھی کر دیا ہے جس کی رو سے مغرب کے بعد شادی بیاہ کی تقریبات پر پابندی لگادی گئی ہے۔ بعض حلقوں کی جانب سے اس قانون کو سراہا گیا ہے اور اسے سفید پوش طبقے سے ایک بڑا بوجھ کم کرنے کیلئے ایک درست قدم قرار دیا گیا ہے جبکہ دوسری طرف اس قانون کی مخالفت بھی کی گئی ہے کیونکہ اس سے بہت سارے طبقات اور ان کا روزگار متاثر ہوا ہے۔ مخالفت کرنے والوں میں شادی ہال، ٹینٹ سروس، پولٹری کی صنعت سے وابستہ افراد اور کئی دوسرے لوگ شامل ہیں جن کے کاروبار کا تعلق ان تقریبات سے ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سادگی اختیار کرنے کیلئے دعوت ولیمہ پر پابندی کو ہی کیوں منتخب

کیا گیا ہے جبکہ ہمارے معاشرے میں کئی ایسی قبیح رسمیں موجود ہیں جن کی مسلمانوں کے ہاں کوئی مذہبی، روایتی یا ثقافتی حیثیت نہیں ہے، لیکن ان رسموں کو سرکاری سرپرستی حاصل ہے اور ہر سال لاکھوں نہیں کروڑوں روپے ان پر صرف کر دیے جاتے ہیں اور بیسیوں انسانی جانیں بھی ان کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں بسنت کی مثال دی جاسکتی ہے جس پر ہر سال نہ صرف کروڑوں روپے ضائع کیے جاتے ہیں بلکہ کئی قیمتی جانوں کا ضیاع بھی ہوتا ہے اور کئی افراد عمر بھر کیلئے معذور ہو جاتے ہیں اس کے باوجود بسنت کے تہوار کی باقاعدہ تشہیر اور سرپرستی ہوتی ہے۔

۱۹۹۸ء کے اعداد و شمار کے مطابق پتنگ بازی کے نتیجے میں صرف واپڈا کو ۷۱ کروڑ روپے کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔ یہ نقصان ٹرانسفارمرز کے جلنے، بجلی کی تاریں ٹوٹنے اور واپڈا کی دوسری تنصیبات کو پہنچنے والے نقصان کی صورت میں ہوا۔ اس کے علاوہ بجلی کی فراہمی میں بار بار تعطل اور اس کی وجہ سے عام لوگوں کی گھریلو استعمال کی بجلی کی اشیاء کو پہنچنے والے نقصان کے اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں۔ بسنت کے تہوار کو منانے کیلئے پاکستان جیسا مقروض ملک پتنگ بنانے کیلئے کاغذ، بانس اور دھاگہ درآمد کرنے پر خطیر زرمبادلہ صرف کرتا ہے۔ متعدد حلقوں کی جانب سے بارہا اس پر پابندی عائد کرنے کا مطالبہ کیا جاچکا ہے لیکن حکومت کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ شب برأت اور خوشی کے دوسرے مواقع پر آتش بازی بھی ایک رسم کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ آتش بازی کا سامان نہ صرف ملک میں تیار کیا جاتا ہے بلکہ چین اور دوسرے ممالک سے درآمد بھی کیا جاتا ہے۔ اس سامان کی عام مارکیٹوں میں کھلے عام خرید و فروخت ہوتی ہے اور بارہا اس سے کئی خوفناک حادثات نے جنم لیا ہے جو کئی انسانی جانوں کو نگل گئے اور کروڑوں روپے مالیت کی جائیداد تباہ و برباد ہو گئی۔ یہ سب کچھ سرعام ہوتا ہے لیکن حکومت کو ان پر پابندی لگانے کا خیال کبھی نہیں آیا۔ اب ہم جناب نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ اور فقہاء امت کی آراء کی روشنی میں ولیمہ کی شرعی حیثیت کا جائزہ لیتے ہیں۔

ولیمہ عربی زبان کا لفظ ہے جس سے مراد شادی کی خوشی میں کی جانے والی دعوت طعام ہے، گو کہ عربی اصطلاح کے مطابق اس لفظ کا اطلاق کسی بھی دعوت طعام پر کیا جاسکتا ہے لیکن عام مفہوم

میں اس سے مراد شادی کی خوشی میں پیش کیا جانے والا کھانا ہی ہے(۱)۔ فقہاء حنابلۃ نے گیارہ ایسے مواقع کا ذکر کیا ہے جن پر لوگوں کو کھانا کھلانا جائز اور مباح ہے(۲)۔ اسی طرح فقہاء مالکیہ اور شافعیہ نے چھ قسم کی دعوتوں کو مستحب قرار دیا ہے جن میں شادی کے موقع پر کھانا کھلانا' بچے کی پیدائش' بچے کے ختنہ' مکان کی تعمیر' سفر سے واپسی اور عزیز و اقارب کو اظہار محبت کے طور پر کھانا کھلانا شامل ہے(۳)۔ خوشی کے موقع پر دوستوں اور اقرباء کو کھانا کھلانا نہ صرف ہماری روایت اور ثقافت کا حصہ ہے بلکہ دین کے اندر اسے جائز قرار دینے کے ساتھ ساتھ اسے سراہا بھی گیا ہے اور اس کی تاکید بھی کی گئی ہے۔ خوشی کے ان مواقع میں سر فہرست شادی کا موقع ہے لہذا نبی کریم ﷺ نے شادی پر ولیمہ کرنے کی خصوصی تاکید فرمائی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے روایت فرمائی ہے :"لما خطب علی فاطمة رضی الله عنها قال: قال رسول الله ﷺ إنه لابدللعرس من ولیمة"(۴)۔ "جب حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شادی کیلئے ولیمہ ضروری ہے۔ اور شاید اس تاکید کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مالی حالات اس وقت زیادہ اچھے نہیں تھے اور وہ ولیمہ کے اخراجات برداشت کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح البخاری میں اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا ہے :"أن علیا قال: کانت لی شارف من نصیبی من المغنم وکان النبی صلی الله علیه وسلم اعطانی شارفا من الخمس - فلماأردت أن ابتنی بفاطمة بنت رسول الله ﷺ واعدت رجلا صواغاً من بنی قینقاع أن یرتحل معی فنأتی باذخر' أردت أن ابیعه من الصواغین واستعین به فی ولیمة عرسی"(۵)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے حصے میں مال غنیمت میں سے ایک اونٹنی آئی اور نبی کریم ﷺ نے ایک اونٹنی مجھے مال خمس میں سے عطا کر دی۔ پس جب میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کا ارادہ کیا تو بنی قینقاع کہ ایک سنار سے وعدہ

---

(۱)۔ لسان العرب فصل الواؤ حرف المیم ج ۱۲ / ص ۶۶۴' القاموس المحیط فصل الواؤ باب المیم ج ۳ / ص ۱۸۷ (۲)۔ الانصاف فی معرفۃ الراجع من الخلاف' ج ۸ / ص ۳۱۶ (۳)۔ المھذب' ج ۲ / ص ۶۴' حاشیہ الاسوقی علی الشرح الکبیر' ج ۲ / ۷ ۳۳ (۴)۔ مسند امام احمد بن حنبلؒ' ج ۵ / ص ۳۵۹ (۵)۔ صحیح البخاری / کتاب البیوع / باب ما قیل فی الصواغ / ج ۳ / ۱۲۔ ۱۳۱۴

کیا کہ وہ میرے ساتھ چلے اور ہم اذخر (ایک خاص قسم کی گھاس) لیکر آئیں۔ میں اسے سناروں کے ہاتھ بیچوں اور اس رقم سے اپنی شادی کے ولیمہ کا اہتمام کروں۔ ان احادیث مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ولیمہ کی تاکید فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے ولیمہ کا اہتمام کرنے کیلئے ایک خاص قسم کی گھاس کاٹ کر بیچی اور اس رقم سے اپنے ولیمہ کا اہتمام کیا۔ اسی ضمن میں حضرات محدثین نے نبی کریم ﷺ کی اُم المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی اور ولیمہ کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ صحیح البخاری، صحیح مسلم اور سنن النسائی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :"

اقام النبی صلی الله علیه وسلم بین خیبروالمدینة ثلاثا یبنی علیه بصفیة بنت حی فدعوت المسلمین إلی ولیمة فما کان فیها من خبز ولالحم أمربالانطاع فألقی فیها من القمروالأقط والسمن فکانت ولیمة(٦)۔

"نبی کریم ﷺ خیبر اور مدینہ کے درمیان تین دن کیلئے ٹھہرے اس دوران حضرت صفیہ بنت حی کی رخصتی ہوئی۔ پس میں نے مسلمانوں کو آپ ﷺ کے ولیمہ کی دعوت دی۔ جس میں گوشت اور روٹی نہیں تھی۔ نبی کریم ﷺ نے دستر خوان بچھانے کا حکم دیا اور اس پر کھجور، پنیر اور گھی رکھ دیا گیا پس یہی آپ ﷺ کا ولیمہ تھا"۔

امام الترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجۃ نے اسی ولیمہ کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے :

"أولم علی صفیة بنت حی بسویق وتمر"(٧)۔ "نبی کریم ﷺ نے حضرت صفیہؓ سے شادی پر ولیمہ ستو اور کھجور سے کیا"۔ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ دین اسلام میں ولیمہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو نبی کریم ﷺ دوران سفر اور مالی تنگدستی کے باوجود ولیمہ کا اہتمام نہ فرماتے۔ اسی طرح امام بخاریؒ نے ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ :

---

(٦)۔ صحیح البخاری / کتاب النکاح / باب البناء فی السفر / ج ٦ / ١٤٠، صحیح مسلم / کتاب النکاح / باب فضیلۃ اعتاق أمۃ ثم تیتزوجھا / ج ٢ / ص ١٠٤٧، سنن النسائی / کتاب النکاح / باب البناء فی السفر / ج ٦ / ص ١٣٣۔

(٧)۔ سنن ابن ماجۃ / کتاب النکاح، باب الولیمۃ / ج ١ / ص ٦١٥، سنن أبی داؤد / کتاب النکاح / باب فی استحباب الولیمۃ عند النکاح / ج ٤ / ص ١٢٦، الترمذی / کتاب النکاح / باب ماجاء فی الولیمۃ / ج ٤ / ص ٤٠٣۔

أولم النبی صلی الله علیه وسلم علی بعض نسائه بمدین من شعیر" (٨)
نبی کریم ﷺ نے اپنی بعض ازواج مطہرات کا ولیمہ دو "مد" (☆) جو کے ساتھ کیا۔ اس روایت
ے، یہ بات قطعاً واضح ہو جاتی ہے کہ ہر شخص جو شادی کرے اس پر لازم ہے کہ اپنی استطاعت کے
طابق ولیمہ کرے کیونکہ اگر ولیمہ لازم نہ ہوتا تو نبی کریم ﷺ اتنا سادہ سا اہتمام کرنے کا تکلف
رگز نہ فرماتے۔ ان روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بعض
قات انتہائی سادگی سے دعوت کی اور چند لوگوں کو کھانا کھلا کر ولیمہ کی سنت کی اہمیت کو اجاگر
رما دیا۔ اس لیے اسی سنت کا اتباع کرتے ہوئے اگر مالی حالات اچھے نہ ہوں تو انتہائی سادگی کے
اتھ چند لوگوں کو بلا کر دعوت کر دی جائے تو یہ اتباع سنت کیلئے کافی ہوگی۔ ولیمہ کے ہی ضمن میں
تب أحادیث میں نبی کریم ﷺ کی اُم المؤمنین حضرت زینبؓ بنت جحش کے ساتھ شادی اور ولیمہ کا
ذکرہ موجود ہے۔ امام مسلم نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے۔ "ما أولم النبی ﷺ علی
مراة من نسائه أکثر أو أفضل مما أولم علی زینب" (٩)۔ "نبی کریم ﷺ نے اپنی
واج مطہرات میں سے کسی کا ولیمہ حضرت زینب بنت جحشؓ کے ولیمہ سے زیادہ اور بہتر نہیں
رمایا"۔ اس ولیمہ کا حال امام نسائی اور امام مسلم نے حضرت انسؓ کی روایت کے حوالہ سے یوں بیان
رمایا ہے: "تزوج النبی صلی الله علیه وسلم فدخل أهله' فصنعت امی حیساً
جعلته فی تور فقالت: یا أنس اذهب بهذا إلی رسول الله ﷺ فذهبت به فقال:
معه۔ ثم قال: ادع فلانا وفلانا ومن لقیت ۔فدعوت من سمی ومن لقیت۔ قال:
لت لأنس: عددکم کانوا؟ قال: زهاء ثلاثمائة۔ وقال لی رسول الله ﷺ یا أنس
ات التور۔ قال فدخلوا حتی امتلأت الصفة والحجرة۔ فقال رسول الله ﷺ
یتحلق عشرة ولیأکل کل إنسان ممایلیه۔ قال: فأکلوا حتی شبعوا" (١٠)

☆) مد ایک پونڈ سے کچھ زیادہ ہوتا ہے اس لحاظ سے دو مد تقریباً ایک کلو ہوتے ہیں۔

---

٨)۔ صحیح البخاری/کتاب النکاح/باب من أولم بأقل من شاة/ج ٦/ص ١٤٣ (٩)۔ صحیح مسلم/کتاب النکاح/باب زواج
زینب بنت جحش واثبات ولیمة العرس/ج ٢/ص ١٠٤٩۔ (١٠)۔ صحیح مسلم/کتاب النکاح/باب زواج زینب/ج ٢/ص ١٠٥١،
سنن النسائی/کتاب النکاح/باب الهدیة لمن عرس/ج ٦/ص ١٣٦۔

"نبی کریم ﷺ نے شادی فرمائی تو میری والدہ نے کھانا تیار کر کے ایک برتن میں ڈالا اور مجھے کہا کہ اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ میں لے گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے رکھ دو اور فلاں فلاں اور جو بھی تمہیں ملے اسے کھانے کی دعوت دو۔ پس میں نے ان تمام لوگوں کو جن کا نام نبی کریم ﷺ نے لیا اور جو مجھے ملے دعوت دی۔ راوی نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ ان کی تعداد کتنی ہو گی؟ حضرت انسؓ نے جواب دیا۔ تین سو کے قریب۔ پھر نبی کریم ﷺ نے حضرت انسؓ سے فرمایا کہ کھانے کا برتن لے آؤ۔ جب یہ تمام لوگ کھانے کیلئے جمع ہوئے تو مسجد نبوی کا صفہ اور آپ ﷺ کا حجرہ مبارک بھر گیا۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ دس دس آدمیوں کا حلقہ بنالیں اور ہر کوئی اپنے سامنے سے کھائے پس سب نے جی بھر کے کھایا"۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اسی دعوت ولیمہ کا حال حضرت انسؓ سے یوں روایت کیا ہے:

"دعوت المسلمين إلى وليمة رسول الله ﷺ صبيحة بنى زينب جحش فاشبع المسلمين خبزاً ولحما"(۱۱)۔ "میں نے تمام مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ کی حضرت زینب بنت جحش سے شادی کی دوسری صبح دعوت دی اور تمام مسلمانوں نے جی بھر کے گوشت اور روٹی کھائی"۔ ان احادیث سے بالکل واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بعض ازواج مطہرات سے شادی کے مواقع پر بہت سادہ ولیمہ کا اہتمام فرمایا اور بعض دوسرے مواقع پر اس کے بالکل برعکس بہت زیادہ اور اچھے کھانے کا انتظام کیا اور اس میں زیادہ لوگوں کو مدعو فرمایا۔ اس ضمن میں فقہاء کی رائے ہے کہ "هذا الاختلاف ليس مرجعه تفصيل بعض نسائه على بعض وإنما سببه اختلاف حالتي العسر واليسر"(۱۲)۔ "اس اختلاف کی وجہ بعض ازواج مطہرات کی دوسری کے اوپر فضیلت نہیں بلکہ اس کا سبب بعض وقت کی مالی تنگدستی اور خوشحالی ہے۔ ان روایات سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ اگر انسان کے مالی حالات اچھے نہ ہوں تو وہ سادگی کے ساتھ ولیمہ کا اہتمام کرے اور اپنی استطاعت کے مطابق لوگوں کو مدعو کرے لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی نعمتوں سے نوازا ہوا ہو اور وہ مالی طور پر خوشحال ہو تو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کیلئے اس پر

---

(۱۱)۔ مسند امام احمد بن حنبلؒ، ج ۳ / ص ۱۰۵۔ (۱۲)۔ فقہ السنۃ، ج ۲ / ص ۲۳۱۔

لازم ہے کہ اپنے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کی حسب حال دعوت کرے اور ان سب کو کھانا کھلائے۔ ولیمہ میں دوست و احباب کے ساتھ ساتھ فقراء اور مساکین کو مدعو کرنا بھی سنت نبوی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: "شر الطعام طعام الولیمة یدعی لها الأغنیاء ویترک الفقراء" (۱۳) "سب سے بُرا کھانا وہ ولیمہ ہے جس میں امراء کو تو دعوت دی گئی ہو لیکن فقراء اور مساکین کو چھوڑ دیا گیا ہو"۔ اب ولیمہ کے ثبوت میں حرف آخر کے طور پر نبی کریم ﷺ کی ایک اور حدیث نقل کی جاتی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو شادی کی مبارکباد دیتے آپ نے فرمایا "بارک الله لک أولم ولو بشاة" (۱۴) "اللہ تعالیٰ تمہاری شادی میں برکت عطا فرمائے ولیمہ کرو چاہے ایک بکری ہی ذبح کرو"۔ اس حدیث مبارکہ میں صیغہ امر استعمال ہوا ہے "أولم ولو بشاة" بعض فقہا کے نزدیک جب کسی کام کیلئے صیغہ امر استعمال ہو تو اس کا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اب تک ہم نے ولیمہ کے ثبوت میں نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ نقل کی ہیں۔ اب انہیں احادیث کی روشنی میں فقہاء کرام کی رائے کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

احناف کی رائے کے مطابق جو فتاویٰ عالمگیریہ میں نقل کی گئی ہے: "ولیمة العرس سنة فیها مثوبة عظیمة۔ وهی إذا بنی الرجل بامرأته ینبغی أن یدعوا الجیران والأقرباء والأصدقاء ویذبح لهم ویضع لهم طعاماً" (۱۵)۔ شادی پر ولیمہ کرنا سنت ہے اور اس میں عظیم ثواب ہے اور ولیمہ یہ ہے کہ جب رخصتی ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ اپنے پڑوسیوں، رشتہ داروں اور دوستوں کی دعوت کرے۔ ان کیلئے جانور ذبح کرے اور ان کیلئے کھانا تیار کرے"۔ فتاویٰ عالمگیریہ کی یہ عبارت بالکل واضح ہے کہ ولیمہ رسم اور فضول خرچی نہیں بلکہ سنت ہے اور اس سنت

---

(۱۳)۔ صحیح البخاری / کتاب النکاح / باب حق اجابة الولیمة / ج ۶ / ص ۱۴۳، صحیح مسلم / کتاب النکاح / باب الأمر باجابة الداعی إلی الدعوة / ج ۲ / ص ۱۰۵۳، سنن ابن ماجة / کتاب النکاح / باب الولیمة / ج ۱ / ص ۶۱۶، المؤطا / کتاب النکاح / باب ماجاء فی الولیمة / ج ۲ / ص ۵۴۶، مسند امام احمد بن حنبلؒ، ج ۲ / ص ۲۶۷، سنن الدارمی / کتاب الأطعمة / باب فی الولیمة / ص ۵۰۱۔

(۱۴)۔ صحیح البخاری / کتاب النکاح / باب الولیمة حق / ج ۶ / ص ۱۴۱، سنن الترمذی / کتاب النکاح / باب ماجاء فی الولیمة / ج ۳ / ص ۴۰۲، سنن ابن ماجة / کتاب النکاح / باب الولیمة / ج ۱ / ص ۶۱۵، مؤطا / کتاب النکاح / باب ماجاء فی الولیمة / ج ۲ / ص ۵۴۵، سنن الدارمی / کتاب النکاح / باب فی الولیمة / ص ۵۳۹۔ (۱۵)۔ فتاویٰ عالمگیریہ، ج ۵ / ص ۳۴۳۔

پر عمل کرنے سے عظیم ثواب ملتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ فتاویٰ عالمگیریہ بر صغیر پاک وھند میں فقہ حنفی کی سب سے زیادہ مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ فقھاء مالکیہ کی رائے کے مطابق جو کہ "حاشية الاسوقى على الشرح الكبير" میں نقل کی گئی۔ "هومندوب وقيل أنهاواجبة" (۱۶) ولیمہ سنت ہے اور دوسری رائے کے مطابق یہ واجب ہے"۔ فقھاء شافعیہ کی رائے کے مطابق جو کہ مشہور فقیھہ ابواسحق ابراہیم بن علی نے اپنی کتاب "المھذب" میں بیان کی ہے: "الطعام الذى يدعى إليه الناس ستت' الوليمة للعرس' والخرس للولادة' والاعذارللختان' والوكيرة للبناء ' والنقيعه لقدوم المسافر' والمأدبة لغيرسبب' ويستحب ماسوى الوليمة لما فيها من اظهارالنعم والشكرعليها واكتساب الأجروالمحبة' أما وليمة العرس فهذا اختلف اصحابنا فيها فمنهم من قال واجبة ومنهم من قال مستحبة لأنه طعام لحادث سرور" (۱۷) "کھانا جس میں لوگوں کو مدعو کیا جاتا ہے چھ قسم کا ہے۔ شادی کے موقع پر ولیمہ' بچے کی پیدائش پر خرس یا عقیقہ' بچے کے ختنہ پر اعذار مکان کی تعمیر پر وکیرہ' سفر سے واپسی پر نقیعہ اور بغیر کسی سبب کے مأدبۃ۔ یہ تمام دعوتیں سوائے ولیمہ کے مستحب ہیں کیونکہ ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار اور ان پر اس کی ذات کا شکر ادا کرنا اور اجر و ثواب حاصل کرنا ہے لیکن ولیمہ میں ہمارے فقھاء نے اختلاف کیا ہے ان میں بعض کے نزدیک ولیمہ واجب ہے اور بعض کے نزدیک مستجب کیونکہ یہ کھانا بھی دوسرے کھانوں کی طرح خوشی کے موقع پر ہے"۔ اس عبارت کی روشنی میں اگر ہم اپنے معاشرتی رویوں کا جائزہ لیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ یہی وہ خوشی کے مواقع ہیں جن پر لوگ ایک دوسرے کی دعوت کرتے ہیں۔ مغنی المحتاج میں شافعیہ کی رائے یوں نقل کی گئی ہے: "وليمة العرس سنة وفى قول أووجه واجبة والاجابة إليها فرض عين" (۱۸)۔ "شادی کے موقع پر ولیمہ کرنا سنت ہے اور ایک دوسرے قول کے مطابق واجب ہے اور اس دعوت کا قبول کرنا فرض عین ہے"۔ فقھاء حنابلہ کی رائے کے مطابق جو کہ مشہور حنبلی فقیھہ ابن قدامہ نے

---

(۱۶)۔ حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر' ج/۲' ص ۳۳۷ (۱۷)۔ المھذب' ج ۲/ ص ۶۴ (۱۸)۔ مغنی المحتاج' ج ۳/ ص ۲۴۵

"المغنی" میں نقل کیا ہے :"يستحب عن تزوج أن يولم ولوبشاة لاخلاف بين اهل العلم فى أن الوليمة سنة فى العرس المشروعة"(١٩)
"جو کوئی شادی کرے اس لیے مستحب ہے کہ ولیمہ کرے چاہے اس میں ایک بکری ہی ذبح کرے۔ اس بات پر اھل علم میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ شادی کے موقع پر ولیمہ سنت ہے"۔ انہی کی ایک رائے جو "کشاف القناع" میں بیان کی گئی ہے کے مطابق "وليمة العرس سنة مؤكدة ويسن ألا ينقص الوليمة عن شاة والأولى الزيادة عليها"(٢٠)۔
"شادی پر ولیمہ سنت مؤکدہ ہے اور سنت یہ ہے کہ ولیمہ پر کم از کم ایک بکری ذبح کی جائے اور اس سے زیادہ بہتر ہے"۔ فقہاء امت کی آراء کے آخر میں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ظاہریہ کی رائے کو بھی نقل کیا جائے۔ المحلی کی عبارت اس طرح ہے :"وفرض على كل من تزوج أن يؤلم بما قل أو كثر"(٢١)"جو کوئی شادی کرے اس پر فرض ہے کہ ولیمہ کرے چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ۔ فقہاء کے ان اقوال کا جائزہ لینے سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ ولیمہ ایک رسم یا رواج یا فضول خرچی کا عمل نہیں ہے بلکہ ہر شادی کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ ولیمہ کرے، جیسا کہ جمہور فقہاء یعنی مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور ظاہریہ کی رائے سے واضح ہے۔ اور اگر یہ واجب نہیں ہے تو کم از کم سنت مؤکدۃ ضرور ہے جیسا کہ احناف نے کہا ہے اور یہی رائے بعض مالکی، شافعی اور حنبلی فقہاء کی بھی ہے۔ دعوت ولیمہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس موقعہ پر دولہا اور دلہن کو تحائف پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ تحائف پیش کرنے کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ عزیز و اقارب اور دوست واحباب کو مدعو کیا جائے۔ تحفہ دینے کی تاکید خود نبی کریم ﷺ نے فرمائی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے آپ ﷺ کی حدیث مبارک یوں نقل کی ہے :"تهادوافان الهدية تذهب وعز الصدر "(٢٢)"ایک دوسرے کو تحفہ دو بیشک تحفہ دینا دل کی رنجشوں کو دور کرتا ہے"۔ اسی مضمون کی احادیث امام الترمذیؒ نے سنن الترمذی اور امام مالکؒ نے المؤطا میں نقل فرمائی ہیں"(٢٣)۔

---

(١٩)۔ المغنی، ج ٧ / ص ٢ (٢٠)۔ کشاف القناع، ج ٥ / ص ١٦٦ (٢١)۔ المحلی، ج ٩ / ص ٤٥٠ (٢٢)۔ مسند امام احمد بن حنبلؒ ج ٢ / ص ٤٠٥ (٢٣)۔ سنن الترمذی / کتاب الولاء والهبة / باب فی حث النبی علی التهادی / ج ٤ / ص ٤٤١ المؤطا / کتاب حسن الخلق / باب ما جاء فی المهاجرة / ج ٢ / ص ٩٠٨۔

عصر حاضر میں جبکہ باہمی رنجشیں اور رقابتیں پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ محبت اور یگانگت ناپید ہے۔ بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے' باہمی اعتماد کا فقدان ہے' ایسے میں مذہبی نقطہ نگاہ سے ہٹ کر بھی ایسی سماجی سرگرمیاں بہت ضروری ہیں جو انسانوں کو انسانوں کے قریب لا سکیں اور ان کے باہمی تعلقات کو خود غرضی اور منافقت کی بجائے محبت اور اخوت کی بنیاد استوار کر سکیں۔ شادی ایک ایسی ہی سماجی تقریب ہے جس میں ناراض لوگوں کو منایا جاتا ہے' باہمی تحائف کا تبادلہ ہوتا ہے' دلوں کے میل دور ہوتے ہیں اور معاشرے میں ہم آہنگی اور بھائی چارے کی فضاء پیدا ہوتی ہے۔ فضول خرچی شریعت اسلامی میں ایک ناپسندیدہ عمل ہے بلکہ فضول خرچی کرنے والوں کو قرآن پاک میں شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔ اس عمل کی کسی بھی طور پر نہ تو حوصلہ افزائی ہو چاہیئے اور نہ اجازت کیونکہ اس سے معاشرتی توازن بگڑ جاتا ہے' دلوں میں نفرت' حسد اور احساس محرومی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جو آگے چل کر بہت بڑے معاشرتی بگاڑ کا باعث بنتے ہیں۔ میانہ روی اور اعتدال ہی معاشرے میں امن وسکون اور پرامن بقاء باہمی کی ضمانت ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ کے بندوں کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے نہ وہ بے جا خرچ کرتے ہیں اور نہ کنجوسی سے کام لیتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "والذین إذاأنفقوالم یسرفواولم یقتروا وکان بین ذلک قواماً" (۲۴) "اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرنے لگیں نہ اڑائیں اور نہ تنگی کریں اور ہے اسکے بیچ ایک سیدھی گزران"۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے مال خرچ کرتے وقت نہ اسراف اور فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل اور کوتاہی بلکہ دونوں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتے ہیں۔ اصطلاح شرع میں حضرت ابن عباس' مجاہد' قتادہ اور ابن جریج کے نزدیک اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا اسراف ہے اگرچہ ایک پیسہ ہی ہو اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جائز اور مباح کاموں میں ضرورت سے زائد خرچ کرنا جو فضول خرچی کی حد میں داخل ہوئے وہ بھی اسراف کے حکم میں ہے۔ اسی طرح اقتار کے معنی خرچ میں تنگی اور بخل کے ہیں یعنی جنکاموں میں اللہ اور رسول ﷺ نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے ان میں خرچ کرنے میں تنگی برتنا (اور بالکل خرچ نہ کرنا بدرجہ اَولیٰ اس میں شامل ہے")(۲۵)

---

(۲۴)۔ الفرقان: ۶۷ (۲۵)۔ معارف القرآن: ج ۶ / ص ۵۰۴

سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ برائی اور معصیت کے کاموں میں کم خرچ کرنا بھی فضول خرچی
کے زمرے میں آتا ہے لیکن جائز اور مباح کاموں میں بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا
چاہیئے۔ احادیث صحیحہ سے یہ بات پوری طرح ثابت ہوگئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بعض اوقات
بہت معمولی سے ولیمہ کا اہتمام کیا اور بعض اوقات تین سو کے قریب لوگوں کی دعوت بھی فرمائی
اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اعتدال کا تعلق براہ راست انسان کی خوشحالی سے ہے اگر اس
کی مالی حالت اچھی اور حلقہ احباب وسیع ہے تو اسے اپنے معیار کے مطابق اپنے احباب کی دعوت کا
اہتمام کرنا چاہیئے اگر وہ ایسا کرنے میں بخل اور کنجوسی سے کام لے گا تو یقیناً کفران نعمت کا ارتکاب
کرے گا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے نبی کریم ﷺ کا قول نقل فرمایا ہے: "کلوا واشربوا وتصدقوا
والبسوا فی غیر مخیلة ولا سرف إن الله یحب أن تری نعمة علی عبده"(۲۶)
"کھاؤ، پیو، پہنو اور صدقہ کرو لیکن اس میں تکبر اور اسراف نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ
اس کی عطا کردہ نعمتیں اس کے بندوں پر نظر آئیں"۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر
شکر کا اظہار انسان کے کھانے پینے، پہننے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ہونا چاہیئے اور اللہ پاک
ایسے خرچ کو پسند کرتا ہے بشرطیکہ اس میں تکبر اور اسراف نہ ہو۔ اسی بنیاد پر فقہاء شافعیہ کہتے ہیں
کہ "صرف المال فی الصدقة ووجوه الخیر والمطاعم والملابس التی لا تلیق
بحاله لیس بتبذیر"(۲۷) "صدقہ، نیکی کے کاموں، کھانے، پینے اور پہننے پر مال خرچ کرنا
فضول خرچی نہیں ہے چاہے یہ خرچ اس کی استطاعت سے کچھ زیادہ ہو"۔ اس تمام بحث کا خلاصہ یہ
ہوا کہ خوشی کے مواقع پر اپنی استطاعت کے مطابق عزیز و اقارب کی دعوت کرنا اور انہیں کھانا
کھلانا اور ان کی خاطر تواضع کرنا فضول خرچی نہیں ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل اور اللہ
تعالیٰ کی عطاء کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں گنگا الٹی بہتی ہے۔ ملک میں ناچ،
گانے، لہو ولعب اور گناہ و معصیت کے کاموں پر نہ تو خرچ کرنے کی پابندی ہے اور نہ ہی اس خرچ کی
کوئی حد مقرر ہے جبکہ جائز اور مباح بلکہ سنت مؤکدہ پر قانونی پابندی لگا کر اسے سادگی کا نام دے دیا

(۲۶)۔ مسند امام احمد بن حنبلؒ، ج ۲ / ص ۱۸۲ (۲۷)۔ مغنی المحتاج، ج ۲ / ص ۱۶۸

گیا ہے۔ آخر میں دستور پاکستان ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل ۲۲۷ کا حوالہ دینا بھی بے محل نہ ہوگا۔ اس آرٹیکل میں کہا گیا ہے کہ :"تمام موجودہ قوانین کو قرآن وسنت کے احکامات کے مطابق اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے گا اور کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو قرآن وسنت کے احکامات سے متصادم ہو"۔ جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ولیمہ محض رسم ورواج نہیں بلکہ سنت مؤکدہ ہے اور حدیث میں ولیمہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو پھر یہ قانون دستور پاکستان کی بھی خلاف ورزی ہے۔ اس لیے عقل ودانش کا تقاضا یہ ہے کہ ایک سنت پر پابندی لگانے کے بجائے معاشرے میں موجود دوسری قبیح اور فضول رسموں پر پابندی عائد کی جائے اور عام لوگوں کو اپنے مال میں جائز تصرفات سے روکنے کے بجائے حکومت قومی خزانے میں اپنے ناجائز تصرفات ختم کرے۔ ایسے اقدامات کو نہ صرف عوامی تائید وحمایت حاصل ہوگی بلکہ معاشرہ بھی کئی قسم کی برائیوں سے پاک ہوگا اور سرزمین پاک پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں گی۔

﴿حوالہ جات﴾

اس مضمون کی تیاری میں درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے :

(۱)۔ قرآن حکیم (معارف القرآن، مولانا مفتی محمد شفیعؒ) (۲)۔ صحیح البخاری : محمد بن اسماعیل البخاری (۳)۔ صحیح مسلم : ابو الحسین مسلم بن حجاج۔ (۴)۔ سنن ابن ماجۃ : ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجۃ (۵)۔ سنن ابو داؤد : ابو داؤد سلیمان بن اشعث (۶) سنن النسائی : ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی (۷)۔ الجامع الصحیح : ابو عیسی محمد بن عیسی الترمذی (۸) مسند امام احمد بن حنبلؒ : ابو عبداللہ احمد بن حنبلؒ (۹)۔ سنن الدارمی : ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدرمی (۱۰)۔ المؤطا : ابو عبداللہ مالک بن انس (حدیث کی یہ تمام کتب استنبول ترکی کی مطبوعہ ہیں) (۱۱)۔ فتاوی عالمگیریۃ : مطبوعۃ مکتبۃ ماجدیۃ کوئٹہ، پاکستان (۱۲)۔ حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر : شمس الدین محمد عرفۃ الاسوقی مطبوعۃ بیروت، لبنان (۱۳)۔ مغنی المحتاج إلی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج : شیخ محمد الشربینی الخطیب، مطبوعۃ بیروت، لبنان (۱۴)۔ المذہب فی فقہ مذہب الامام الشافعی : ابو اسحٰق ابراہیم بن علی، مطبوعۃ مکتبۃ مصطفٰی البابی الحلبی، مصر (۱۵)۔ المغنی : ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ، مطبوعۃ مکتبۃ الکلیات الأزہریۃ، قاہرہ، مصر (۱۶)۔ کشاف القناع عن متن الاقناع : منصور بن یوسف البھوتی، مطبوعۃ مکتبۃ النصر الحدیثۃ، الریاض، سعودی عرب (الإنصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف : محمد حامد الفیقی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان (۱۸)۔ المحلی : ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم، مطبوعہ دار الآفاق الجدیدۃ، بیروت، لبنان (۱۹)۔ فقہ السنۃ : السید سابق، مطبوعۃ دار الکتاب العربی بیروت، لبنان

(20).The Gazatte of Pakistan, Marriages(Prohibition of wastful expenses) Ordinance March 15, 1997 (21).The Gazatte of Pakistan, Marriages (Prohibition of wasteful expenses) (amendment) Ordinance 1998, Dec. 4,1998.

(22).Constitution of Pakistan 1973 ☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆.

جناب لیفٹننٹ کرنل (ر) محمد اعظم صاحب

"کارگل" کشمیر کا نیا محاذ جنگ

کارگل سیکٹر میں بھارت کی بدترین تازہ جارحیت پر زیر نظر مضمون میں موجودہ صورتحال اس علاقہ کا تاریخی پس منظر اور آئندہ پیش آنے والے حالات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ موجودہ مضمون اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس کے مرتب جناب لیفٹیننٹ کرنل (ر) محمد اعظم صاحب (اکوڑہ خٹک) جو ماہنامہ الحق کے خصوصی مضمون نگار بھی ہیں نے 1965ء کی جنگ میں بطور سٹاف آفیسر اور پھر دوسری مرتبہ 1971ء میں کمانڈنگ آفیسر کے طور پر اس علاقہ میں فرائض سرانجام دیے۔ حالات کی صحیح منظر کشی انہوں نے اسی تناظر میں کی ہے۔ (مدیر)

سن 1948ء سے پہلے ڈوگرہ حکومت کے زمانے میں کارگل اور بلتستان لداخ کے وزیرِ وزارت کے ماتحت دو انتہائی پسماندہ اور دور افتادہ پہاڑی تحصیلیں تھیں۔ جن کی ۹۰ فیصد سے زیادہ آبادی مسلمان تھی۔ کارگل کی تحصیل میں کچھ آبادی بدھ مت سے تعلق رکھنے والے لداخیوں کی تھی۔ جن کا مذہبی تعلق تبت کے لاماؤں سے تھا۔ سن 1947ء کے اواخر میں جب کشمیریوں نے ڈوگرہ حکومت کے خلاف عَلَم بغاوت بلند کیا تو گلگت اور بلتستان جو کشمیر کے انتہائی شمال میں واقع پہاڑی علاقے تھے۔ وہاں جو تحریکیں اٹھیں وہ مقامی نوعیت کی تھیں۔ گلگت میں مقامی لوگوں نے گورنر گھنسارا سنگھ کو گلگت سکاؤٹس کی مدد سے گرفتار کر کے 16۔ نومبر 1947ء کو آزادی کا اعلان کر دیا اور گلگت کا پاکستان سے الحاق کرتے ہوئے صوبہ سرحد کی حکومت سے انتظامی امور سنبھالنے کی درخواست کی۔ اسی نوعیت کا اعلان بلتیوں نے بھی کیا اور مہاراجہ کی ایک بٹالین فوج جو سکردو میں خرپچو کے قلعے میں رہ رہی تھی گھیرے میں لے لیا اور ایک مختصر سا لشکر ترتیب دے کر کارگل کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ بعد میں ان کے ساتھ گلگت کے مجاہد بھی شامل ہو گئے۔ ان مجاہدوں نے 10۔ مئی 1948ء تک دراس کارگل کے علاقے آزادی کرا لئے تھے اور لیہ (لداخ کے دارالحکومت) تک پہنچ چکے تھے۔ مگر کسی قسم کی امداد میسر نہ ہونے اور بے پناہ غربت اور پسماندگی کے باعث یہ لشکر اپنی فتوحات برقرار نہ رکھ سکے۔ مگر بھارتی فوجوں کی آمد کے بعد یہ

علاقے ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔ لیکن دراس کارگل کی سڑک اور کارگل چھاؤنی کی نگرانی کرنے والی یہ بلند چوٹیاں مجاہدوں کے قبضے میں رہیں۔ مقامی ملیشیا پر مشتمل ان پوسٹوں کی ایک علیحدہ تاریخ ہے اور بھارتی افواج متعدد بار ان پر قبضہ کر کے انہیں کھو چکی ہیں۔ تا آنکہ 1971ء کی جنگ کے بعد یہ پوسٹیں مستقل طور پر بھارت کے قبضے میں چلی گئیں۔ یہ چوکیاں چودہ پندرہ اور سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر ایسی جگہوں پر واقع ہیں جہاں سے کارگل چھاؤنی (جہاں کسی وقت ایک ڈویژن بھارتی فوج رہ رہی تھی اور اب تعداد کہیں زیادہ ہے) کو توپ خانے اور دوسرے فائر کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ سری نگر، زوجیلا پاس دراس کارگل کی سڑک جس کے ذریعے اگلے علاقوں میں تعینات تین چار ڈویژن فوج کے لئے راشن اور دوسرے سامان کی ڈمپنگ صرف اسی راستے سے ہوتی ہے اور گرمیوں کے تین چار مہینوں کے دوران ہو سکتی ہے جب کہ باقی آٹھ مہینوں میں برف کی وجہ سے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ اس لئے بھارتی فوج اس کمیونیکشن لائن کے متعلق بے حد حساس ہے۔ اس سڑک پر جو فوجی قافلے گزرتے ہیں ایک ایک کانوائی دو دو تین سو گاڑیوں پر مشتمل ہوتی ہے اور بھارتی نہیں چاہتے کہ یہ سڑک پاکستانی چوکیوں کے فائر کے نیچے یا زیر نگرانی ہو۔ کارگل سے سیاچین جانے والا راستہ بھی انہی پوسٹوں کے سامنے سے گزرتا ہے اور بھارتی نہیں چاہتے کہ پاکستان اس علاقے میں آگے پیچھے ہونے والی ہر حرکت سے باخبر رہے۔

دریائے سندھ لیہ لداخ سے ہوتا ہوا کارگل کے پاس سے گزرتا ہے اور اولڈنگ کے مقام کے نزدیک پاکستانی حدود میں داخل ہوتا ہے۔ اس علاقے کا دوسرا بڑا دریا شیوک ہے۔ یہ دریا بھی لداخ کے پہاڑوں سے نکلتا ہے اور نوبرا وادی سے گزرتا ہوا سیاری فرانو کے مقام پر لائن آف کنٹرول سے گزرتا ہوا خپلو سے نیچے خرمنگ کی وادی میں دریائے سندھ میں جاگرتا ہے۔ سیاہ چین گلیشیر شیوک کی وادیوں کے شمال مشرق میں واقع ہے اور اس تک پہنچنے کیلئے خپلو کے مقام پر دریائے شیوک کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ سن 1971ء سے پہلے وادی نوبرا میں ترتک چلونکا تک کا علاقہ پاکستان کے زیر تسلط تھا۔ مگر سن 71ء کی جنگ میں یہ علاقہ پاکستان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ سن 71ء سے پہلے کارگل اور نوبرا دونوں سیکٹرز میں تمام چوکیوں پر سکاؤٹس تعینات تھے۔ جو کہ باقاعدہ فوج کے

مقابلے میں کمتر درجے کے ٹروپس تھے اور کم خرچ ہونے کی وجہ سے پاکستان انہی سے کام چلاتا رہا تھا۔ ان کا بجٹ ڈیفنس سے نہیں بلکہ وزارت امور کشمیر کی طرف سے الاٹ کیا جاتا تھا۔ سکاؤٹس چونکہ سیکنڈ لائن ٹروپس ہیں اور ان کا کام حملہ آور کو اپنی باقاعدہ فوج کے آنے تک روکے رکھنا ہے اس لئے شمالی علاقہ کے تینوں سکاؤٹس کو ستر کی دہائی کے وسط میں توڑ کر باقاعدہ فوج کی طرح ہتھیار دوسرا سازوسامان اور تربیت دے کر جنگ بندی لائن اور لائن آف کنٹرول پر تعینات کر دیا گیا۔ اور اس کمزوری کا ازالہ کر دیا گیا جو 65ء اور 71ء کی جنگوں کے دوران نقصان کا باعث بنے تھے۔ یہ پلٹنیں پہاڑی ڈویژن کی لائنز پر باقاعدہ منظم ہیں اور پہاڑی علاقے میں کسی بھی دشمن سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں ان کی کارکردگی کا اندازہ ان دنوں دونوں بھارتی جنگی جہازوں کے گرائے جانے سے لگایا جاسکتا ہے۔ جو جنگ بندی لائن عبور کر کے پاکستانی علاقے میں پانچ سات میل اندر گھس آئے تھے۔

کشمیری مجاہدین پچھلے دس سال سے اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں اور اب وہ اس مقام پر پہنچ چکے ہیں جب حریت پسند محدود چھاپہ مار کاروائیوں سے گذر کر بڑی آپریشنز کرنے کی اہلیت حاصل کر لیتے ہیں اور اپنے چھوٹے چھوٹے گروپوں کو اکٹھا کر کے منظم یونٹوں میں تبدیل کر لیتے ہیں۔ یہ تنظیم اس بات کا اشارہ کرتی ہے کہ آزادی کی منزل اب بہت دور نہیں اور گوریلا فورسز دشمن کی باقاعدہ فوج سے مقابلہ کر سکتی ہیں۔ کارگل 'ترتک' چھوربٹ لا اور بٹالک کے آپریشنز اسی اہلیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ بھارتی میڈیا پر واویلا سراسر جھوٹ کا پلندہ اور بھارتی عوام کی رائے کو گمراہ کرنے کی کوشش ہے۔ کشمیری مجاہدین جن چوٹیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں ان کی بلندی پندرہ سولہ ہزار فٹ سے کسی طرح کم نہیں اور ان چوٹیوں پر بھارتی جہازوں کا ہوائی حملہ یا توپخانے کا فائر کوئی اثر نہیں رکھتا اور نہ ہی پیدل فوج کا پہاڑ پر نیچے سے اوپر حملہ کسی نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔ بھارتی فوجی قیادت نے کہا ہے کہ وہ ایک مہینے تک یہ پوسٹیں خالی کروالیں گے جبکہ اس وقت تک اس علاقے میں مون سون کے بادلوں کی وجہ سے ہوائی جہازوں کا استعمال ممکن نہیں ہوگا اور مون سون کے ختم ہونے کے ساتھ برفباری اس کام کو مزید مشکل بنادے گی۔

٭٭٭

بھارتی فوج کی عمومی کارکردگی سے کچھ واضح اشارات ملتے ہیں اور وہ یہ کہ بھارتی فوج جس کی تقریباً چھ سات لاکھ کے لگ بھگ نفری پچھلی کئی دہائیوں سے کشمیر میں ایک بے مقصد جنگ لڑ رہی ہے جس کو بظاہر نہ کوئی جیت رہا ہے نہ ہار رہا ہے۔ اس صورتحال نے بھارتی فوج کے مورال پر بے حد منفی اثرات مرتب کئے ہیں۔ گھروں سے ہزاروں میل دور مدراس یا بنگال کے رہنے والے ایک جوان کے نفسیاتی مسائل کا اندازہ کیجئے جو نہ آسانی سے مختصر چھٹی پر گھر جا سکتا ہے نہ اپنے بیوی بچوں یا اپنی فیملی سے مل سکتا ہے مزید برآں جس آب و ہوا میں وہ رہ رہا ہے وہ اس کیلئے جہنم سے کم نہیں اگر ان کے ہاں خودکشی اور اپنے افسروں یا ساتھیوں پر فائر کھول دینے کے واقعات تواتر سے ہو رہے ہیں تو اس کی وجوہ وہ بلاوجہ جنگ ہے جس میں وہ خود مر رہے ہیں اور بے گناہ لوگوں کو مار رہے ہیں۔ زی ٹی وی کے ایک سروے کے مطابق بھارت کی 48 فیصد آبادی کشمیر سے متعلق اپنی حکومت کی رائے سے متفق نہیں۔ حالات بتا رہے کہ یہ تعداد مزید بڑھے گی اور اگر ڈیگال کے پائے کا لیڈر بھارت پیدا نہ کر سکا جس کا قوی امکان ہے کہ پیدا نہیں کر سکے گا تو بہت تھوڑے عرصے میں یا تو بھارتی فوج فرانس، امریکہ اور روس کی طرح خود میدان چھوڑ جائے گی یا روس کی طرح بھارت بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گا اور اس کے عالمی طاقت بننے کے خواب ادھورے رہ جائیں گے۔

جیسا کہ ہوتا رہا ہے کارگل سیکٹر میں بھارتی فوج ہر سال پندرہ سولہ ہزار فٹ یا اس سے زیادہ بلندی پر واقع پوسٹیں سردیوں کے شروع میں خالی کر جاتی تھی اور مئی کے وسط میں برفیں پگھلنے کے بعد دوبارہ آکر ان کو استعمال میں لے آتی تھی، مگر اس سال ان پوسٹوں پر بھارتیوں کی آمد سے پہلے مجاہدین بھاری تعداد میں وہاں پہنچ گئے۔ اور ان پر قبضہ کر لیا۔ ان پوسٹوں کو مجاہدین سے خالی کرانا جیسے کہ پہلے تذکرہ کیا گیا ہے۔ بھارتی بری یا ہوائی فوج کے بس سے باہر ہے۔ بھارتی عوام کو گمراہ کرنے کیلئے جنگ بندی لائن کے نزدیک رہنے والوں پر بلا اشتعال توپ خانے کا فائر کیا جا رہا ہے جس کی زد میں آکر سو ملین آبادی عورتیں اور بچے شہید ہو رہے ہیں ان شہادتوں کا بھارت کو فوجی نقطہ نظر سے کیا فائدہ پہنچ رہا ہے عقل سمجھنے سے قاصر ہے۔ سوائے اس کے چند فوجی کمانڈر، ایڈمنسٹریشن کے کچھ لوگ، سبر امنیم کی سوچ رکھنے والے چند نام نہاد دانشور اور راشٹریہ سیوک

سنگھ کے بنیاد پرست ہندو' دنیا کو یہ باور کرانے پر تلے ہوئے ہیں کہ بھارت ایک عالمی قوت ہے اور اپنے چھوٹے ہمسایوں کو خوفزدہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ تاکہ وہ صرف جنوبی ایشیا نہیں بلکہ اس خطے سے باہر بھی اپنی طاقت کی دھاک بٹھا سکے۔

میری ذاتی رائے ہے کہ بھارت کشمیر کی جنگ بندی لائن کے باہر کسی بڑے ایڈونچر کو شروع کرنے کی غلطی نہیں کرے گا کیونکہ اس میں اس کا نقصان زیادہ ہے۔ وہ اس وقت صرف اپنے عوام کی توجہ اپنے سیاسی' اقتصادی' معاشی اور معاشرتی مسائل سے ہٹانے کی خاطر یہ کھیل کچھ عرصہ تک جاری رکھے گا اور اگر ستمبر کے انتخابات میں کسی پارٹی نے بھاری مینڈیٹ حاصل کر لیا تو ممکن ہے بامعنی بات چیت کا راستہ کھل جائے۔ ورنہ کمزور حکومت کے برسر اقتدار آنے پر پرانی پالیسیاں بدستور جاری رہیں گی۔

مجاہدین آزادی کے حوالہ سے میرا ایمان ہے کہ عددی برتری اور جدید ہتھیاروں کی موجودگی صرف وہ عناصر نہیں جو قوموں کو زندہ رہنے کا حق عطا کرتے ہیں۔ ماضی قریب میں فرانس کی ہند چینی اور الجریا میں شکست۔ ویٹنام سے امریکیوں کا غیر آبرومندانہ انخلاء اور افغانستان میں روس کی شکست وریخت کمزور قوموں کی جنگ آزادی کی وہ زندہ مثالیں ہیں جہاں دوسری تمام برتریاں باطل ثابت ہو جاتی ہیں۔ یقین کیجئے کہ آزادی کی تڑپ' قربانی کا جذبہ' اپنے مقصد سے لگاؤ' مضبوط قوت ارادی اور اپنے نظریئے میں اعتقاد ہی وہ عناصر ہیں جو مستقبل کی جنگوں میں بھی فیصلہ کن کردار ادا کرتے رہیں گے۔ کشمیر کی تحریک آزادی وسائل کی کمی کا شکار ہو تو ہو نظریاتی لحاظ سے بانجھ نہیں۔ یہ مٹی بڑی زرخیز ہے۔ بس ذرا نم چاہیئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جناب محمد ایوب منیر صاحب

ترکی میں اسلام اور سیکولرزم کی کشمکش اور حالیہ انتخابات

ترکی کے اندر پارلیمانی انتخابات مکمل ہو چکے ہیں' حکمران کونسل ڈی جی ایم کا خیال تھا کہ سیکولر خیالات کی حامی کوئی ایک پارٹی واضح اکثریت حاصل کرلے گی لیکن صورتحال بالکل مختلف نکلی۔ نگران حکومت کے اقدامات کی بدولت ڈیموکریٹک لیفٹ پارٹی 136 نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی لیکن پارلیمانی بحران سے یہ پارٹی نبرد آزمانہ ہو سکے گی کیونکہ اسے قوم پرست پارٹی ایم ایچ پی کا تعاون حاصل کرنا پڑے گا اور پچھلے چار سالوں میں مخلوط حکومتوں کا قیام وزرائے اعظم کے استعفیٰ کے ساتھ ختم ہوتا رہا ہے' آئندہ حالات بھی اس سے مختلف نہ ہوں گے۔

اسلام اور سیکولرزم کی جو جنگ کم وبیش تمام مسلمان ممالک میں جاری ہے اس کا ایک مظاہرہ ۲۔ مئی ۹۹ء کو انقرہ میں پارلیمان کے پہلے اجلاس میں ہوا' اس روز نو منتخب اراکین پارلیمان جنہیں ترک باشندے ڈپٹی کہتے ہیں' نے حلف اٹھانا تھا۔ سب سے بزرگ رضا سیپ گوگلو صدارت کر رہے تھے اور قاعدے کے مطابق ایک ایک فرد نے مائیک پر آکر رکنیت کا حلف پڑھنا تھا' اخبارات میں خبر گرم تھی کہ ٹیکاس' امریکہ سے کمپیوٹر کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والی استنبول شہر سے منتخب رکن پارلیمان مروہ کواچی (Merve Kavacji) سر پر سکارف پہن کر اسمبلی کی رکنیت کا حلف پڑھیں گی۔ حلف رکنیت کے لئے نام حروف تہجی کے حساب سے پکارے جا رہے تھے' دوپہر کے بعد جب کہ استنبول شہر کے ارکان کے حلف اٹھانے کا وقت قریب آرہا تھا کہ اچانک مروہ کواچی سر پر سکارف پہن کر اندر آئیں اور اسمبلی میں اپنی مخصوص نشست پر بیٹھ گئیں۔ فضیلت پارٹی کے ارکان نے ان کا خیر مقدم کیا جبکہ ڈیموکریٹک لیفٹ پارٹی کے ارکان اور دیگر پارٹیوں کے ارکان نے بھی اس پر شدید احتجاج کرنا شروع کر دیا۔ متوقع وزیراعظم بلند ایجوٹ اور ڈی ایس پی پارٹی کے دیگر ممبران سپیکر کے پاس گئے اور کہا کہ پارلیمنٹ ایک ایسی جگہ ہے جہاں ریاست کے قوانین اور ضابطوں کا احترام ہونا چاہئیے۔ مروہ کواچی کا لباس دراصل ایک مخصوص نقطہ نظر یعنی اسلام پرستوں کی نمائندگی کر رہا ہے اس لیے مروہ کو اسمبلی سے باہر بھیجا جائے' اسے حلف نہ اٹھانے دیا جائے اور اسے پارلیمانی آداب کی خلاف ورزی پر سزا دی جائے۔ بلند ایجوت کی پارٹی کی بارہ

خاتون ممبران اسمبلی احتجاج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ہر شخص کو گھر کے اندر اپنی مرضی کا لباس پہننے کا حق حاصل ہے اسمبلی ہال کے اندر نہیں۔ صراط مستقیم پارٹی کی ملیک حفصہ نے اپنی پارٹی سے فوراً استعفیٰ دیدیا اور اپنے استعفیٰ کی وجہ یہ بتائی کہ میری پارٹی اتنے اہم موقعہ پر احتجاج نہیں کر رہی ہے۔ حفصہ نے اپنے غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں اجلاس کی صدارت کر رہی ہوتی تو وہ (مروہ) میری لاش سے گزر کر ہی اسمبلی ہال میں داخل ہو سکتی تھی۔ مروہ کا لباس سیاسی اسلام کا نشان (Emblem) اور سیکولرزم کی بنیاد پر بننے والے جمہوری نظام سے متصادم ہے' اس روز اسمبلی میں ہنگامہ مچا ہوا تھا ہر شخص کچھ نہ کچھ کہہ رہا تھا اور کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ اس موقعہ پر مروہ کاوکچی نے اسمبلی کے ہال سے باہر آکر ایک پریس کانفرنس کی اور اس سارے شور کے بارے میں کہا "میرے سکارف کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ یہ سیاسی علامت ہے لیکن یہ سکارف تو میں اپنے عقیدے اور ایمان کی وجہ سے اوڑھتی ہوں اور یہ میرا ذاتی انتخاب ہے' مجھے اسمبلی کی رکنیت کا حلف لینے سے روک دیا گیا ہے۔ آخر کیوں یہ بین الاقوامی انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے اور ترکی کی حکومت نے انسانی حقوق کے ان چارٹرڈ پر دستخط کئے ہیں' مجھے میرے بنیادی حقوق سے محروم کر کے ترکی کی حکومت نے دنیا کے سامنے ایک بری مثال قائم کی ہے۔ سکارف پہننے سے دستور کی کسی دفعہ کی خلاف ورزی نہیں ہوئی۔ فضیلت پارٹی نے انتخابات کی مہم کے دوران انسانی حقوق کی واضح طور پر وکالت کی تھی اور میں اپنے ووٹروں کے احساس کی نمائندگی کر رہی ہوں"۔ جس وقت پارلیمنٹ کی پریس گیلری میں مروہ صحافیوں سے بات کر رہی تھی اس وقت پارلیمنٹ ہال کے باہر درجنوں تنظیموں سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں فضیلت مخالف افراد مظاہرہ کر رہے تھے' مطالبہ تھا کہ مروہ کو اسمبلی سے نکال باہر کیا جائے۔

مروہ کے سکارف نے اسمبلی کے اندر ٹائم بم نصب کرنے کی حیثیت اختیار کر لی' انتخابی مہم کے دوران مروہ نے ہمیشہ اپنے سر سکارف باندھے رکھا' اس کو ووٹروں نے سنا دیکھا اور اپنی رائے سے نوازا' اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے حلقہ کے لوگوں نے اس کو منتخب ہی اس لئے کیا ہے کہ اس کے پارٹی پروگرام کے علاوہ اسکی ذات سے بھی ان کو اختلاف نہیں ہے' انسانی حقوق کی تنظیم ایچ ڈی اور مظلوموں کے لئے انسانی حقوق و یکجہتی تنظیم نے مروہ کے مؤقف کی توثیق کی اور کہا کہ جو لوگ لبرل ازم اور سیکولرزم کے علمبردار ہیں آخر وہ اتنی تنگ نظری پر کیوں اتر آئے ہیں کہ سکارف کی موجودگی میں اسمبلی کی کارروائی جاری نہیں رہنا دینا چاہتے۔ یاد رہے کہ مختلف پارٹیوں کے پلیٹ فارم سے ۲۳ خواتین اسمبلی میں منتخب

ہوئی ہیں ان میں سے دو خواتین کا تعلق فضیلت پارٹی سے ہے۔ صراط مستقیم پارٹی کی ایک منتخب رکن نے کہا کہ آج مروہ کو سکارف پہن کر اسمبلی میں بیٹھنے کی اجازت دیدی گئی تو اگلی مرتبہ وہ سیاہ چادر پہن کر اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کریں گی اس لئے ضروری ہے کہ اس مسئلے کا فوری حل تلاش کیا جائے۔ فضیلت پارٹی کے ممبران کا مؤقف بالکل واضح ہے ان کا کہنا ہے کہ مذہب سے متصادم لباس کا کوئی بھی قانون قابل قبول نہیں ہے۔ سٹیٹ سیکورٹی کونسل ڈی جے ایم نے کواکچی کے خلاف اپیل سماعت کیلئے منظور کرلی ہے۔ استغاثہ نے مؤقف اختیار کیا ہے کہ مذکورہ خاتون ترکی کے Penal Code کی دفعہ 312 کی خلاف ورزی کی مرتکب ہوئی ہے۔ اسکے اقدام سے لوگوں کے درمیان نفرت اور تقسیم بڑھ جائے گی جس کی قانون اجازت نہیں دیتا' عدالت کے سربراہ وورال سوواس نے کہا کہ اس مقدمے کا فیصلہ قانون کے مطابق کیا جائے گا۔ فضیلت پارٹی کے موجودہ سربراہ رجائی کوتان جو کہ آئندہ اسمبلی میں قائد حزب اختلاف کا کردار ادا کریں گے نے بھی نومنتخب اراکین اسمبلی خصوصاً پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قانون کے مطابق کسی شخص پر مقدمہ چلائے بغیر اس کو سزا نہیں دی جاسکتی' اس صورت میں مروہ کو اسمبلی کا حلف نہ اٹھانے دینا جرم ثابت کئے بغیر سزا دینے کے مترادف ہے اور یہ انصاف اور قانون کی دھجیاں بکھیر دینے کے مترادف ہے۔ انہوں نے کہا کہ کس قدر حیرت ناک بات ہے کہ صرف سکارف پہننے کے جرم میں مروہ کو غیر ملکی ایجنٹ اور بیرونی طاقتوں کا آلہ کار قرار دیا جارہا ہے۔ صدر مملکت نے ٹیلی ویژن پر آکر مروہ کو غیر ملکی ایجنٹ قرار دیا ہے جو کہ شرمناک بات ہے۔ فضیلت پارٹی اس موقعہ پر پارلیمنٹ کے پہلے اجلاس میں کوئی متنازعہ مسئلہ اٹھانا نہیں چاہتی تھی لیکن پارٹی کو یہ بھی قبول نہیں ہے، کہ ذاتی لباس کے مسئلے کو قومی شعار بنا کر پارٹی پر پابندیاں لگانے کی بات کی جائے۔ انہوں نے اس بات کو دہرایا کہ پارٹی کے اندر مکمل جمہوریت ہے۔ ارکان باہمی مشورے کے بعد کوئی اقدام کرتے ہیں لیکن ہماری ایسی کوئی پالیسی نہیں ہے کہ پارلیمنٹ کے نظام کو نہ چلنے دیا جائے۔

گذشتہ سال حکومت نے ایک نیا قانون متعارف کرایا تھا جس میں سرکاری ملازم خواتین کے لئے لازم تھا کہ وہ مغربی لباس میں دفاتر آئیں' ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ سر پر سکارف نہ باندھیں تاکہ دفتری فرائض کی ادائیگی میں تاخیر نہ ہو' تب انقرہ یونیورسٹی کی طالبات نے سینکڑوں کی تعداد میں بہت بڑا جلوس نکالا تھا۔ ان جلوسوں میں شرکت کرنے والی طالبات نے سکارف سر پر باندھ رکھے تھے اور اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ ترکی میں پیدا ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ اپنے مذہب سے دستبرداری کا اعلان

دیا جائے۔ مروہ کواپچی کے کانٹے کو نکالنے کیلئے مختلف سیاستدان مختلف حربے استعمال کر رہے ہیں۔ سب سے پہلا حملہ تو یہ ہے کہ قدامت پرستی اور دستور کی خلاف ورزی کے الزامات لگا کر عدالت کے ذریعے فضیلت پارٹی پر پابندی عائد کردی جائے، جس طرح رفاہ پارٹی پر عائد کی گئی تھی۔ دوسرا حربہ یہ ہے کہ فضیلت پارٹی میں توڑ پھوڑ کو پروان چڑھایا جائے، کچھ لوگ حکومت کے مؤقف کی تائید کریں اور سیکولر دستور کی بالادستی کو قبول کرلیں، چھوٹی پارٹیوں کا مؤقف یہ ہے مروہ کو حلف اسمبلی لیتے وقت اور مختلف کمیٹیوں کے اجلاس میں شرکت کے وقت سکارف اتار لینا چاہئیے اور باقی اوقات میں سکارف استعمال کرلے۔ اطلاعات کے مطابق مروہ کے خلاف سرکاری ادارے تیزی کے ساتھ سرگرم عمل ہیں۔ شوہر کے ساتھ ایک سابقہ قضیے کو بنیاد بنا کر مروہ کے خلاف سمن جاری ہو چکے ہیں اور مذکورہ کیس میں مروہ کو گرفتار کیا جاسکتا ہے، اسی طرح صدر مملکت ایک قانون کی منظوری دینا چاہتے ہیں کہ جس کے ذریعے دوہری شہرت رکھنے والے شہریوں کو ترکی کی شہریت سے محروم کردیا جائے گا۔ بلند ایجوت کئی بار یہ کہہ چکے ہیں کہ سیکولر دستور کی پاسداری کیلئے میں ایک ہزار اراکین اسمبلی قربان کر سکتا ہوں۔ اگر مروہ نے سکارف اتار کر حلف نہ اٹھایا تو میں بھی نئی حکومت تشکیل نہ دوں گا۔ مروہ کواپچی کے موجودہ طرز عمل پر علامہ اقبالؒ کا یہی شعر صادق آتا ہے۔

کھٹکتا ہوں سینہ یزداں میں کانٹے کی طرح
اور تو صوفی کی صدا اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو

دنیا بھر کی نقاب اوڑھنے والی خواتین نے مروہ کواپچی کے اقدام کی تحسین کی ہے۔ اسے اسلام کی جرأت مند بیٹی قرار دیا ہے اور اس کے ساتھ یک جہتی کا مظاہرہ کرنے کا اعلان کیا ہے۔ تازہ ترین اطلاع کے مطابق سلیمان ڈیمرل صاحب نے نئے قانون کے نفاذ کے ذریعے دوہری شہریت کے حامل افراد بشمول مروہ کواپچی کی ترکی کی شہریت ختم کردی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولوی محمد عبدالرحمٰن البازی

دنیائے علم کا مینار

شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد موسیٰ الروحانی البازی طیب اللہ آثارہ

(قسط نمبر 2)

مختلف علوم وفنون میں تصنیفات وتالیفات دوصد سے متجاوز ہیں، بعض تالیفات کئی جلدوں میں ہیں، بعض مطبوع ہیں اور بعض غیر مطبوع۔ طباعت کتب بہت زیادہ اسباب کی مقتضی ہے۔ ایک عالم دین کے پاس ان اسباب کا حاصل ہونا نہایت مشکل ہے۔ امام کعبہ عبداللہ بن سبیل ایک مرتبہ علماء کی مجلس میں فرمانے لگے "کہ میں اس وقت دنیا کے مرکز (مکہ مکرمہ) میں بیٹھا ہوں۔ دنیا بھر کے علماء میرے پاس آتے ہیں مگر اس وقت میری تحقیق کے مطابق کل علماء ارض میں کوئی ایسا عالم دین موجود نہیں جو مولانا روحانی بازیؒ کی طرح محقق اور متنوع الفنون ومتنوع التالیف ہو۔

پاکستان کے علماء کبار سے خراج تحسین حاصل کرنے کے علاوہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی تصانیف علمیہ بیرون ملک مملکت سعودیہ، افغانستان، ایران، ہندوستان، بنگلہ دیش، یورپ، امریکہ اور دیگر ممالک عربیہ کے علماء اور دانشوروں میں بھی بہت مقبول ہیں اور نہایت اکرام واعزاز کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ مکہ مکرمہ کے عالم کبیر علامہ فنون شیخ امین کتبی مرحوم نے جب مولانا الروحانی البازی کی بعض تصانیف دیکھیں تو غائبانہ طور پر بغیر ملاقات کے اور بغیر سابقہ تعلق کے فرمایا: "هذا الشيخ محمد موسى الروحاني البازي نحوي عروضي صرفي جامع "علامہ شیخ امین کتبی مرحومؒ کا بلند علمی مقام وجامعیت علوم کل مملکت سعودیہ میں مسلمہ ہے۔ وہ بہت کم کسی عالم کے علم سے متاثر ہوتے ہیں۔ مملکت سعودی عرب اور دیگر ممالک عربیہ کی یونیورسٹیوں میں پاک وہند وغیرہ عجمی ممالک کے کئی طلباء زیر تعلیم ہیں۔ وہ طلباء بطور فخر وبطور اظہار مسرت بتاتے ہیں کہ دیار عرب کے شیوخ وعلماء جب بطور اعتراض کہتے ہیں کہ عجمی علماء یعنی پاک وہند کے علماء فصیح وبلیغ عربی لکھنے سے قاصر ہوتے ہیں تو ہم انکی تردید کرتے ہوئے مولانا

روحانی بازیؒ کی بعض عربی تصانیف دکھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ایک عجمی کی عربی تصانیف ہیں۔وہ شیوخ وعلماء ان کتابوں کی فصیح وبلیغ عربی دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں اور کہتے ہیں "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مولانا شیخ محمد موسیٰ الروحانی البازی دیار عرب کے ادیب اریب عالم ہیں۔ مولانا شمس الحق افغانیؒ کا بلند علمی مقام پاکستان کے علماء میں مسلم ہے وہ بہت کم کسی عالم کے علم سے متاثر ہوتے تھے، فرماتے تھے کہ مولانا شیخ محمد موسی الروحانی البازیؒ کا علم ہمارے لئے سند کا درجہ رکھتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمودؒ ایک مرتبہ عرب ریاستوں کے دورے پر تشریف لے گئے تو وہاں ریاست میں قاضی القضاۃ اور دیگر بڑے بڑے علماء جمع تھے،وہاں مفتی صاحبؒ نے جو تقریر کی اسے سن کر قاضی القضاۃ کہنے لگے :"واقعی پاکستان میں بھی بڑے علماء بلکہ ہم سے بھی بڑے علماء موجود ہیں"۔ پھر انہوں نے کہا کہ میں نے پاکستانی علماء میں شیخ محمد موسی البازیؒ کی بہت سی کتب دیکھی ہیں، ان جیسے علماء عرب میں موجود ہیں نہیں۔اس موقعہ پر مفتی صاحبؒ کے ایک ساتھی مولوی یٰسین سے رہا نہ گیا اور وہ بول پڑے کہ شیخؒ !آپ جس شیخ محمد موسیٰؒ کو عربوں پر فوقیت دیتے ہیں، جانتے بھی ہیں کہ وہ کون ہیں ؟وہ شیخ محمد موسیٰؒ ، مفتی محمودؒ کے تلمیذ ہیں اور انہوں نے فنون کی تمام کتابیں مفتی محمودؒ صاحب سے پڑھی ہیں۔ آپ کو شیخ محمد موسیٰؒ کے علم سے مفتی محمودؒ کے علم کا اندازہ کر لینا چاہئے" قاضی القضاۃ نے مفتی محمودؒ صاحب سے پوچھا "آپ نے تصنیفات کیطرف کیوں نہیں توجہ دی"۔ ؟ مفتی صاحبؒ نے فرمایا :"میری ایک تصنیف شیخ محمد موسیٰؒ کو تو آپ نے پڑھ لیا ہے، اگر اس قسم کی دوچار کتابیں اور پڑھ لیں تو آپ کو یہ سوال مجھ سے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوگی"۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخؒ کو جو ذہانت ولیاقت اور بصیرت عطا فرمائی تھی، وہ قرآن وحدیث اور عالم اسلام کی خدمت کیلئے دی تھی۔انکی علمی مصروفیات قدرت نے انکی تسکین کیلئے پیدا کر رکھی تھیں۔ علمی دنیا کے علاوہ عام اسلوب گفتار میں بھی کوئی ابہام پیچیدگی یا پہیلی نہیں ہوتی تھی، وہ جس چیز پر بولتے کھل کر بولتے،وہ ہر بات منہ پر کرتے ، پیٹھ پیچھے بات کرنا ان کے نزدیک جائز نہ تھا۔ خدا خوفی کا ایک وصف یہ ہوتا ہے کہ انسان 'انسانوں کیطرف سے بے خوف ہو جاتا ہے۔ حضرت شیخؒ کو رب کائنات نے ہر خوف سے بے نیاز کر دیا تھا، انکے نزدیک طاقت کا

سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات تھی اور وہ اس ذات کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ فکر و عزیمت
بلندی اللہ رب کائنات کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن جو حضرات اس نعمت سے سرفراز ہوتے ہیں
قوت برداشت اور صبر و تحمل کے باوجود یہ ان کیلئے امتحان و آزمائش اور عظیم ترین مجاہدہ بن جاتی ہے
ابنائے زمانہ انکی اس بلندی کا ساتھ دینے سے قاصر رہتے ہیں اور ان حضرات کیلئے ابنائے زمانہ
پست سطح پر اترنا ممکن نہیں رہتا۔ یہی کشاکشی ان کیلئے صبر آزما مجاہدہ ثابت ہوتی ہے۔ حضرت شیخؒ کی
روح ایک عرصہ سے اس کشاکشی کو برداشت کر رہی تھی۔ وہ اس ملک میں اسلام کو غالب دیکھنا چاہتے
تھے اور اس کیلئے انہوں نے اپنی صحت و قوت ساری پونجی داؤ پر لگادی۔ انکے قلب و جگر میں کوئی آرزو
اور امنگ تھی تو محض یہ کہ یہ ملک اسلامی عظمت کا گہوارہ بنے گا۔ یہاں اسلامی حدود کا
نفاذ ہوگا۔ اسلامی نظام حیات کی برکات سے خلق خدا فائدے اٹھائے گی اور یوں ایک بار پھر خیر و فلاح
کے دور کی یاد تازہ ہو جائے گی۔ فرمایا کرتے کہ رات کے بعد دن کا آنا فطری عمل ہے اور جو فطرت
عمل کے برعکس رویہ اختیار کرتا ہے اسکے عبرتناک انجام سے تاریخ کے صفحات اٹے پڑے ہیں
صرف انکو دیکھنے، سننے اور سمجھنے کیلئے دیدہ بینا، گوشِ ہوش اور قلب سلیم کی ضرورت ہے۔

حضرت شیخؒ کی شدید خواہش تھی کہ وطن عزیز پاکستان جس مقصد کے تحت حاصل کیا
گیا ہے اکیسویں صدی سے قبل بیسویں صدی ہی میں اللہ تعالیٰ "ملک کے رکھوالوں" کو ایفائے
عہد کی توفیق دیدے۔ ملک کی اہم شخصیات سے ملاقاتوں میں وہ بار بار نفاذ شریعت کا کہتے اور اس
سلسلے میں بہت سی نصیحتیں کرتے، مثال میں افغانستان میں طالبان کی شرعی حکومت اور اسکے نتیجے
میں قائم ہونے والے امن و امان کا ذکر فرماتے۔ یہ حقیقت ہے کہ کسی ملک کے لوگوں کے مزاج
کے خلاف اگر کوئی نظام وہاں قائم ہوگا تو وہ اس ملک کے ضعف و کمزوری کا سبب ہوگا۔ اس لئے
پاکستان میں استحکام کیلئے ضروری ہے کہ یہاں سب سے پہلے اسلامی نظام قائم کرنے کی حقیقی معنوں
میں کوشش کی جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ان کاوشوں و نصیحتوں اور دعاؤں کا بھی نتیجہ تھا جسکی وجہ
سے اللہ تعالیٰ نے حکمرانوں کو نفاذ شریعت کے اعلان کی توفیق دی۔ (فالحمد للہ)۔ لیکن حق تعالیٰ
شانہ کی مشیت شاید یہ چاہتی تھی کہ حضرت شیخ محدث اعظم مولانا محمد موسیٰ الروحانی البازیؒ کے

اس حسن اخلاص، حسن نیت اور قرآن وحدیث کی خدمات کی بدولت اس بیسویں صدی کا خاتمہ ہی "الشیخ محمد موسیٰ البازی" پر کر دیا جائے۔ شاید وہ اکیسویں صدی کی تمہید اور بیسویں صدی کا تمتہ تھے"۔ جملہ یونہی دماغ کے دریچوں سے ہوتا ہوا قلم کی زبان پر آگیا، وگرنہ حضرت شیخؒ کی زندگی وخدمات اس شعر کے مصداق ہیں :۔

کلیوں کو میں سینے کا لہو دے کے چلا ہوں صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

حضرت شیخؒ کی موت کئی لحاظ سے حسن خاتمہ کی علامت ہے، ایک تو وہ سفر میں تھے اور سفر میں مؤمن کی موت معنوی شہادت ہے۔ پھر یہ سفر بھی سفر صلاۃ تھا۔ ثانیاً یہ کہ مقام بھی مسجد کا تھا۔ ثالثاً یہ کہ پیغام اجل نماز پڑھتے ہوئے آیا۔ رابعاً یہ کہ ان کا خاتمہ ذکر الٰہی پر ہوا۔ یعنی سفر بھی اللہ کیلئے۔۔ گھر بھی اللہ کا۔ عبادت بھی اللہ کی۔ بیشک ایسی موت قسمت والوں کو ہی ملا کرتی ہے۔

<u>عظیم کرامت</u> : تدفین کے بعد حضرت شیخ محدث اعظم، شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد موسیٰ الروحانی البازیؒ کی قبر مبارک اور مٹی سے خوشبو آنا شروع ہو گئی۔ جس نے پورے میانی قبرستان کو معطر کر دیا۔ لوگوں کا ہجوم تھا جو مرقدِ اطہر کی مٹی تبرکاً اٹھا کے لے جا رہے تھے۔ جو شخص ساری زندگی قال اللہ وقال الرسول ﷺ کا درس دیکر جہاں کو مہکاتا رہا آج رب کائنات نے انکی قبر کو بھی اسی طرح معطر کر دیا ہے جس کی مٹی دیکھنے والوں اور سونگھنے والوں سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ جو شخص ساری زندگی اللہ اور اسکے رسول ﷺ کا نام بلند کرتا رہا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے اس طرح محبت کا اظہار فرماتے ہیں جس کا مشاہدہ آج میں اور آپ انکی قبر مبارک کی خوشبودار مٹی کو دیکھ کر کر رہے ہیں۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ عالم اسلام کی ان چودہ صدیوں میں حضرت شیخؒ انگلیوں پر گنی جانے والی چند شخصیات میں سے ایک ہیں جنکی مرقد اطہر سے جنت کی خوشبو جاری ہوئی (جو الحمد للہ اب تک جاری ہے)۔ حضرت شیخؒ اللہ تعالیٰ کے کتنے برگزیدہ بندے تھے؟ انکی اس عظیم کرامت نے اس بات کی تصدیق کر دی۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں :۔

بگفتا من گلے ناچیز بودم ولیکن مدے باگل نشتم
جمال ہم نشیں در من اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

یہ عظیم کرامت جہاں حضرت شیخؒ کی کامل ولایت کی واضح دلیل ہے وہاں مسلک دیوبند کیلئے بھی قابل صد فخر کی بات ہے (فالحمد للہ)۔ حضرت شیخؒ کو شیخ الحدیث والتفسیر کی حیثیت سے جو خدمت رب کائنات نے تفویض فرمائی آخر لمحہ تک اس میں مشغول رہے' پھر ان کے طائر روح نے جس سرعت سے پرواز کی وہ بجائے خود ایک حیرت انگیز امر ہے۔ اتنی آسانی سے روح کا قبض ہونا اس ناکارہ کیلئے بالکل ہی نیا مشاہدہ تھا کہ نہ موت سے پہلے کسی بیماری یا تکلیف کی شکایت نہ کسی کی احتیاج اور نہ ہی کسی قسم کے درد و کرب کا اظہار۔ شیخ عطارؒ کے درویش کا واقعہ کتابوں میں پڑھا اور سنا تھا کہ انکی دہلیز پر سر رکھ کر لیٹ گئے اور کہا کہ ہماری روح تو قبض ہو جائیگی مگر اس کا چشم دید مشاہدہ محدث اعظم مولانا محمد موسیٰ البازیؒ کے وصال سے ہوا کہ اللہ کے دین کی سربلندی کیلئے مرنے والے یوں بھی مر کر دکھادیا کرتے ہیں۔

اللہ رب کائنات کے لطف و کرم اور اسکی قدرت کاملہ کا منظر دیکھو کہ تھانہ بھون سے ایک شیخ زادے کو اٹھاتے ہیں اور اسے عرب و عجم کا حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ بنا دیتے ہیں۔ ہندوستان ہی کے ایک خاندان کے ایک فرد پر نظر عنایت ہوتی ہے اسے قطبیت کبریٰ کے مقام پر فائز کر کے امام ربانی مولانا حسین احمد مدنی بنادیا جاتا ہے۔ کشمیر کی سنگلاخ زمین سے ایک گمنام خاندان کے فرد کو لایا جاتا ہے اور علوم نبوت کا پورا کتب خانہ اس کے سینے میں انڈیل کر اسے امام العصر مولانا محمد انور شاہ بنا دیتے ہیں۔ پاکستان کے ایک گاؤں سے ایک نو مسلم کو لاتے ہیں اور اسے مقام ولایت و صدیقیت پر فائز کر کے شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری بنادیا جاتا ہے۔ اور ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک غیر معروف گاؤں سے ایک فرد کو منظر عام پر لاتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے محدثین' مفسرین' متکلمین اور محققین کا امام بنا کر محدث اعظم شیخ الشیوخ مولانا محمد موسیٰ البازیؒ کا نام عطا فرما دیتے ہیں۔ حضرت شیخؒ نے بہترین و اعلیٰ درجہ کے اہل علم و کمال اساتذہ سے علم حاصل کیا مگر کسی صاحب کمال سے کچھ حاصل کرنا' حاصل کرنے والے کی اپنی صلاحیت پر موقوف ہوتا ہے۔ مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ' مولانا عبدالحق حقانیؒ' مولانا شمس الحق افغانیؒ' مولانا غلام اللہ خانؒ' مولانا لطافت الرحمٰن' خلیفہ احمد و خلیفہ محمد وغیرہ۔ یہ وہ اساتذہ ہیں جو سونا کو

ندن بنانا اور پتھر کو تراش کر ہیرا بنانے کا گُر جانتے تھے۔ حضرت شیخؒ پانچ سال یا اس سے بھی کم عمر
ہوں گے کہ والد محترم مولوی شیر محمدؒ کا انتقال ہو گیا۔ والد محترم کے بعد آپکی والدہ محترمہ نے آپکی
پرورش فرمائی جو کہ بہت ہی صالحہ' صائمہ اور قائمہ للہ تعالیٰ خاتون تھیں۔ اگر مائیں حضرت فاطمہؓ
کے حیاء' اماں عائشہؓ کے پردہ اور حضرت خدیجہؓ کے تقویٰ کے مطابق زندگی گزاریں تو وہ ایسے
عظیم سپوتوں کو جنم دیتی ہیں جنکے کارنامے سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہوتے ہیں۔
الد محترم کے انتقال کے بعد آپ نے اور آپکی والدہ محترمہ نے زمانے کی تند و تلخ آندھیوں اور
مصائب کا سامنا کیا۔ آپ نے ابتدائی کتب فقہ اور فارسی کی تمام کتابیں گاؤں کے علماء سے پڑھیں۔
س عرصہ میں گھر کے کاموں میں والدہ کا ہاتھ بھی بٹاتے۔ گاؤں میں بارش کے پانی کے علاوہ پانی
کے حصول کا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ آپ بعض اوقات پانی کے حصول کیلئے تین تین میل کا سفر
رتے۔ گاؤں میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد بعض علماء کے حکم پر تقریباً دس سال کی کم عمری میں
زید پڑھنے کیلئے عیسیٰ خیل تشریف لے گئے۔

حصول تعلیم کیلئے آپ نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا۔ طلباء کے اجتماع سے ایک مرتبہ خطاب
رتے ہوئے اپنی طالب علمی کے زمانے کا ایک واقعہ سنایا: کہ دیہات میں پانی کیلئے رہٹ چلائے
جاتے تو اس کے چلنے کی آواز رات کو دور دور تک سنائی دیتی جو ساری رات آتی رہتی۔ میں سوچا کرتا
ہ یہ رہٹ چلانے والا بھی کوئی آدمی ہو گا جو دنیا کیلئے ساری رات جاگنے کی تکلیف سہتا ہے تو میں اللہ
کے دین کو سیکھنے کیلئے کیوں نہیں جاگ سکتا۔ چنانچہ میں کتاب لیکر بیٹھ جاتا اور پڑھتا رہتا۔ یہ گویا کہ
یک طرح کا مقابلہ ہوتا' کبھی میں جیت جاتا اور کبھی رہٹ والا فتح سے ہمکنار ہوتا اور اکثر ساری
ات پڑھ کر میں ہی جیت کی خوشیاں سمیٹتا۔ ایک دن ایک شخص کو ساری صورتحال کا علم ہوا تو کہنے
گا کہ تم عجیب طالب علم ہو' یہ رہٹ والا ایک آدمی نہیں ہے بلکہ کچھ دیر ایک آدمی کام کرتا ہے اتنی
یر میں دوسرے علاقے میں دوسرا آدمی رہٹ چلانا شروع کر دیتا ہے اور اس طرح یہ سلسلہ ساری
ات جاری رہتا ہے لیکن آواز کے مسلسل آنے کیوجہ سے آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک ہی آدمی ہے'
مگر حقیقت یہ ہے کہ تمھارا مقابلہ بیک وقت کئی آدمیوں سے ہوتا ہے"۔

عبدالخیل میں مفتی محمود صاحبؒ اور دیگر اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد بڑی کتابیں پڑھنے کیلئے حضرت شیخؒ اکوڑہ خٹک حقانیہ تشریف لے گئے۔ سال کے آخر میں چھٹیاں ہوئیں تو مولانا غلام اللہ خانؒ کے دورہ تفسیر میں شرکت کیلئے راولپنڈی آگئے۔ اسی سال ایک مخالف گروہ کیطرف سے مولانا غلام اللہ خانؒ پر ایک زبردست منطقی سوال کیا گیا۔ مولانا غلام اللہ خانؒ نے وہ سوال طلباء کے سامنے پیش کر کے کہا! کوئی ایسا طالب علم موجود ہے جو اس سوال کا جواب دے؟ مولانا کے حلقہ درس میں شامل لوگ عالم ہوتے تھے اور حضرت شیخؒ کی ابھی کتابیں مکمل نہیں ہوئی تھیں اس لیے خاموش رہے کہ کوئی اور بولے گا' مگر جب سب خاموش رہے تو مولانا غلام اللہ خانؒ کہنے لگے: اگر تم نہیں بتا سکتے تو اقرار کرو' میں تم کو بتادوں گا۔ سب نے کہا ہم یہ سوال حل نہیں کر سکتے' لیکن حضرت شیخؒ نے مولانا سے کہا: میں آپ کو کل اس کا تحریری جواب دوں گا۔ مولانا' حضرت شیخؒ کی جسارت پر بڑے خوش ہوئے۔ دوسرے روز آپؒ نے عربی میں جواب تحریر کر کے مولانا کی خدمت میں پیش کر دیا۔ مولانا فرمانے لگے! واللہ' یہ لڑا بڑا منطقی ہے۔ میرے ذہن میں اس سوال کا جو جواب تھا یہ اس سے بھی خوبصورت اور زوردار جواب ہے اور اس نے اسے عربی میں لکھا ہے۔ اس کے بعد مولانا ہر سال سوال دہراتے اور جواب سناتے تھے۔ دوسرے سال مدرسہ قاسم العلوم میں داخلے کیلئے تشریف لے گئے۔ قاسم العلوم میں داخلے کا امتحان صدرا' حمد اللہ اور خیالی جیسی مشکل کتابوں میں زبانی امتحان دیا۔ ممتحن نے حیران ہو کر قاسم العلوم کے صدر استاد مولانا عبدالخالق کو بتایا کہ ایک پٹھان لڑکا آیا ہے جسے سب کتابیں زبانی یاد ہیں۔ کتابوں کی تکمیل کے بعد کوئٹہ کے مدرسہ مطلع العلوم میں پہلی مرتبہ مدرس مقرر ہوئے جہاں علم کا یہ آفتاب جہاں کو اپنی علمی روشنی سے منور کرنے کے بعد پنجاب کے علاقے بورے والا تشریف لے گئے جہاں دارالعلوم اسلامیہ میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ بعد ازاں ملتان میں مدرسہ قاسم العلوم میں تقرری ہوئی۔

(جاری ہے)

جناب پروفیسر محمد افضل رضا صاحب

آہ پروفیسر سید تقویم الحق صاحبؒ

ایک نابغۂ روزگار شخصیت جو چل بسی

اجل کو کام سونپا ہے عجب دست مشیت نے
چمن سے پھول چننا اور ویرانوں میں رکھ دینا

سبط المرشدی حضرت مولانا حافظ راشد الحق سمیع حقانی صاحب طولعمرہ' کے خصوصی ارشاد کی تعمیل میں کئی روز سے ایک ایسی ہستی کی وفات حسرت آیات پر قلم اٹھاتا رہا ہوں اور پھر اسے اپنی جگہ پہ رکھتا چلا آیا ہوں۔ فقط اور فقط اس شدید احساس کی وجہ سے کہ اس کے بارے میں کیا کیا لکھوں' کتنا لکھوں' کیسے لکھوں۔ حضرت مولانا پروفیسر سید تقویم الحق صاحب نور اللہ مرقدہ' بیک وقت میرے ہم جماعت بھی تھے' میرے استاد بھی تھے' میرے دوست اور ہم مضمون پروفیسر بھی تھے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میرے مشفق سرپرست بھی تھے اور پیر بھائی بھی تھے۔ ہم جماعت ایسے کہ ۱۹۶۳ء میں ہم دونوں نے ایم اے پشتو کا امتحان پاس کیا۔ الحمد للہ دونوں کی امتیازی حیثیت تھی استاد ایسے کہ اردو میں ایم فل کے سلسلے میں آپ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی طرف سے میرے تحقیقی مقالے کے نگران اور رہنما تھے۔ ہم مضمون پروفیسر ایسے کہ سرکاری کالجوں میں کئی سال تک ہم پشتو ادبیات پڑھاتے رہے۔ غالباً پورے صوبے میں آپ ہی مجھ سے سینئر تھے۔

دوستی اور شفقت کے بے شمار واقعات کو درطہ تحریر میں لانا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وفات سے تین روز قبل اپنا آخری خط عیادت کے سلسلے میں راقم الحروف کے نام لکھا۔ سرپرست ایسے کہ جب بھی تعلیمی اور انتظامی امور میں مشورے کی ضرورت پڑتی تو میں صرف آپ ہی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا۔ جس محبت اور خلوص بھرے انداز سے مشورے سے نوازتے وہ میرے ذہن و دل پر نقش ہے۔ پیر بھائی ایسے کہ وہ دار العلوم دیوبند میں قیام پاکستان سے قبل میرے مرشد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحبؒ کے تلمیذ رشید رہ چکے تھے۔ آپ نے وہاں حضرت شیخؒ سے ملا حسن اور دیگر کتب پڑھی تھیں۔ دار العلوم دیوبند کے امتحان میں بھی اول پوزیشن حاصل کی۔ ویسے میں آپکو ہمیشہ تحریر و تقریر میں پیر بابا مخاطب کیا کرتا تھا۔ اس نابغہ روزگار شخصیت' پروفیسر سید تقویم الحق کاکاخیل

صاحبؒ نے علاقہ خٹک تحصیل نوشہرہ کے گاؤں "زیارت کاکا صاحبؒ" میں سید حمیم گل صاحبؒ کے ہاں ۱۹۲۷ء میں اگست کی پندرھویں تاریخ کو آنکھ کھولی۔ آپ الاقطاب حضرت کستیر گل صاحبؒ المعروف بہ شیخ رحمکار کاکا صاحبؒ کے مقدس روحانی اور علمی خاندان کے فرزند ارجمند تھے۔ ابتدائی دینی تعلیم مدرسہ نصرت الاسلام میں حاصل کی۔ بعد ازاں اعلیٰ مذہبی تعلیم کیلئے دیوبند تشریف لے گئے۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران فارغ التحصیل ہوئے۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کے خصوصی تلامذہ میں سے تھے۔ خود آپکے ہمدرس میرے مشفق حضرت مولانا حافظ محمد اسرار الحق صاحب فاضل دیوبند نے ایک روز آپ کے بارے میں مجھے بتایا کہ تقویم الحق صاحبؒ حضرت شیخ العرب والعجم کے منظور نظر تلامذہ میں سے تھے اور آپ کی ذہانت اور فطانت سے اس قدر متاثر تھے کہ فرمایا کرتے تھے کہ تقویم الحق صاحب اپنے دور کے بہترین نقاد ہوں گے اور یہ پیشگوئی سچ ثابت ہوئی۔ ادبیات کے ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے میں آپ کو اردو اور پشتو ادبیات کے صف اول کے ناقدین میں شمار کرتا ہوں۔ دارالعلوم دیوبند سے واپسی کے بعد پشاور یونیورسٹی سے میٹرک' ایف اے' بی اے اور ایم کے امتحانات بطور پرائیوٹ امیدوار پاس کیے۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۵۲ء کو صوبہ سرحد کے محکمہ تعلیم میں اسلامیات کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۳ء میں پشاور یونیورسٹی سے ایم اے پشتو کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا اور طلائی تمغہ حاصل کیا اور صوبہ سرحد کے مختلف سرکاری کالجوں میں بالخصوص گورنمنٹ کالج بنوں' گورنمنٹ کالج مردان' گورنمنٹ کالج نوشہرہ اور گورنمنٹ کالج ٹانک وغیرہ میں کئی سال تک ادبیات پشتو پڑھاتے رہے۔ بعد ازاں پرنسپل کے عہدے پر فائز ہوئے۔ آپ کئی سال تک مختلف سرکاری کالجوں کے پرنسپل رہے۔ جن میں گورنمنٹ کالج پشاور' گورنمنٹ کالج چارسدہ' گورنمنٹ کالج کوہاٹ' گورنمنٹ کالج تھانہ وغیرہ شامل ہیں۔ ۱۹۸۴ء میں پشتو پراجیکٹ کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے آپ کو نئی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ بعد ازاں محکمہ تعلیم میں ڈپٹی سیکرٹری مقرر ہوئے اور ۱۹۸۷ء میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ غالباً ۱۹۶۰ء میں آپ نے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی تھی۔

جدید پشتو ادب میں بحیثیت شاعر' ادیب' نقاد' محقق' ماہر لسانیات آپ کو جو مقام حاصل تھا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ شعر گوئی میں بہت کم طبع آزمائی کی ہے۔ زیادہ تر توجہ پشتو نثر کی طرف مبذول رہی۔ علامہ اقبالؒ کی مشہور تصنیفات زبور عجم' پس چہ باید کرد' مسافر کو نہایت دل نشین انداز میں پشتو نظم میں

منتقل کیا۔ افغانستان کے مشہور ادیب اور محقق آقائے جیبی مرحوم کی مشہور تحقیقی کتاب پشتو ادب کی تاریخ کی تلخیص کی۔ بیسیوں پشتو کتب کے مقدمے لکھ چکے ہیں جن میں مقدمہ مخزن العلوم (اخون درویزہ باباؒ) مقدمہ دیوان علی خان (قدیم پشتو شاعر) مقدمہ لی لی نورہ (مصنیف) مقدمہ میلفیم اور کزما سوات کے پٹھانوں میں (اردو ترجمہ) وغیرہ شامل ہیں۔ اور بہت زیادہ مشہور ہیں۔

آپ تعلیم بالغان اور دیگر سرکاری منصوبوں کے تحت لکھی گئی بیسیوں کتب پر نظر ثانی بھی کر چکے ہیں۔ بانی پاکستان محمد علی جناح کے بارے میں آپ کی مبسوط پشتو کتاب کو خوبصورت علمی اور تحقیقی اضافے کی حیثیت حاصل کی۔ گذشتہ کئی سال سے پشاور ٹیلی ویژن اور ریڈیو پاکستان پشاور سے آپ کی نشر شدہ ادبی تقاریر بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ دیگر ادبی مباحثوں میں شرکت کے علاوہ آپ نے خوشحال خان خٹک، رحمان باباؒ اور علامہ اقبالؒ کے بارے میں اردو زبان میں وقتاً فوقتاً جو علمی مقالات اور خطبات پیش کیے ہیں انہیں ہماری ادبی تاریخ کا اہم حصہ سمجھا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک ممتاز عالم دین اور فاضل دیوبند ہونے کی حیثیت سے آپ نے کئی ایک مذہبی موضوعات پر ٹی وی سکرین پر متعدد دفعہ ناظرین سے خطاب کیا۔ جسے بیحد سراہا گیا۔ جناب میاں صاحب مرحوم کی طبیعت میں شائستہ ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی وہ جس محفل میں بھی تشریف فرما ہوتے۔ محفل زعفران زار بن جاتی۔ ریڈیو پاکستان پشاور سے کئی سال تک روزنامچہ اور "نوے تازہ" کے نام سے آپ کی اپنی آواز میں مخصوص انداز تحریر اور شگفتہ و دلکش اسلوب بیان کے ساتھ نہایت ہی معیاری انشائیے نشر ہوتے رہے۔ ایک بلند پایہ انشائیہ نگار کی حیثیت سے بھی آپ امتیازی شان کے حامل تھے۔

آپ کی دلچسپ اور دل نشین انداز تحریر اور طرز بیان کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ چند سال قبل جناب جنرل ضیاء الحق صاحب شہیدؒ کے آخری دور حکومت میں اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد کے زیر اہتمام اسلام آباد ہوٹل میں پاکستان کے ایک ہزار کے لگ بھگ ممتاز و معروف شعراء اور ادباء، اہل قلم باقاعدہ کانفرنس میں شریک تھے۔ جناب میاں صاحب مرحومؒ نے خوشحال خان خٹک کے بارے میں اپنا فن پارہ تحقیقی مقالہ کچھ اس انداز سے پیش کیا کہ حاضرین مسحور تھے۔ میں خود بھی موجود تھا۔ اردو زبان میں تحریر اس مقالے کے اسلوب نگارش اور میاں صاحب مرحومؒ کے مخصوص دلکش انداز بیان پر ہر جملے کے اختتام پر تمام حاضرین کلمات تحسین و آفرین پیش کر رہے تھے۔ مقالے کے اختتام پر بعض نئے آنے والے مقالہ نگاروں نے اپنے مقالات کی پیشکش سے یہ کہہ کر معذوری کا اظہار کیا

کہ میاں صاحب مرحومؒ کے شہپارے کے بعد ہم کیا مقالہ پیش کریں گے۔

پشتو زبان وادب کی جو خدمت نہایت علمی انداز میں پروفیسر سید تقویم الحق صاحبؒ مرحوم نے کی ہے۔ وہ پشتو زبان وادب سے تعلق رکھنے والوں کو ہمیشہ یاد رہیگی۔ آپ نے تعلیمی نصاب میں پشتو زبان وادب کو جائز مقام دلانے اور اسے مدارس میں تدریسی زبان بنانے میں جو اہم کردار ادا کیا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ علمی اور ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر سابق صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب مرحومؒ کی جانب سے آپ کو تمغہ امتیاز ملا۔

پرائمری سطح تک تمام مضامین کی پشتو زبان میں تدریس آپ ہی کا کارنامہ ہے۔ ان مضامین کی اردو کتب کے تراجم کا اہم کام بھی آپ نے بنفس نفیس انجام دیا ہے اور پھر ان کی تدریس کیلئے اساتذہ کیلئے تربیتی پروگراموں کا اہتمام بھی آپ ہی کی مخلصانہ مساعی کی بدولت ممکن ہو سکا ہے۔ یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ بلوچستان' افغانستان اور سرحد میں پشتو زبان کی رسم الخط میں قدرے تفاوت کیوجہ سے قارئین کرام کو بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑتا۔ ویسے بھی عصر حاضر کے تقاضوں کو پیش نظر ایک "معیاری پشتو رسم الخط" کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔ جناب میاں صاحبؒ نے شبانہ روز محنت کر کے "پشتو بولنے والے علاقوں میں ایک ہی معیاری پشتو رسم الخط کے اجراء کی بنیاد ڈالی اور آج مذکورہ بالا علاقوں کے ادباء اور شعراء' محققین اور ناقدین ایک ہی پشتو رسم الخط کی تحریر پر متفق ہیں۔ مرحومؒ کا یہ کارنامہ لائق صد تحسین ہے۔ حیران ہوں کہ ابھی اور کتنا کچھ لکھوں۔ افسوس بیشمار سخنہائے گفتنی در طہتحریر سے رہ گئے۔ پس اتنا ضرور عرض کروں گا کہ ۵۔ مئی ۱۹۹۹ء کو بدھ کے دن حیات شیرپاؤ ہسپتال پشاور میں شام سات بجے پشتو زبان اور علم وادب کا جو آفتاب رخشندہ غروب ہوا۔ اس کی تابانیاں تاریخ کا روشن باب بن کر رہینگی۔　ع　حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

داماں نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار
گلچیں بہار توز داماں گلہ دارد

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جناب مفتی مختار اللہ جہانگیروی حقانی
مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

بحث و نظر
سلسلہ نمبر 2

اختلافِ مطالع کے اعتبار و عدم اعتبار کی تحقیق

(قسط نمبر 4)

(۸)۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا جواب: جب ان سے حدیث کریبؒ سے استدلال کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؒ نے جواب دیا کہ قائلین بااعتبار اختلاف مطالع نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور حدیث اس کو متحمل ضرور ہے لیکن نافین اعتبار اختلاف مطالع اس کا وہ جواب دے سکتے ہیں جو امام نوویؒ نے اس حدیث کے ذیل میں بعض شافعیہ سے نقل کیا ہے۔
وقال بعض اصحابنا تعم ابن عباس بخیرکریبؒ لانه شهادة فلایثبت بواحد اور حدیث اس کو بھی متحمل ہے تو فاذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال اسی طرح هکذا امرنارسول الله ﷺ میں دونوں احتمال ہیں۔ (امداد الفتاوی ۲/۱۰۹)
حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اس مشہور قاعدہ سے رد فرمایا کہ جب کوئی نص کئی احتمالات کو متحمل ہو اور وہ احتمالات باہمی متعارض ہوں تو اس سے استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہاں بھی دونوں جگہ (شھادۃ کریبؒ کو رد کرنا اور ھکذا امرنا رسول اللہ ﷺ) دو دو احتمالات ہیں اسلئے یہ بھی نا قابل استدلال ہے۔
(۹)۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے امام ابو جعفر الطحاوی صاحبؒ کا ایک جواب نقل کیا ہے کہ "واجاب الطحاوی فی مشکله عن حدیث کریب بانه کان قدفات وقت استعمال الصیام بتلک الرؤیة" (اوجز المسالک ۳/۷) ترجمہ: امام ابو جعفر طحاویؒ نے مشکل الاثار میں حدیث کریب کا یہ جواب دیا ہے کہ اس رؤیت سے روزے کے نفاذ کا وقت ختم ہو چکا تھا، اسلئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت کریبؒ کی شہادت کو قبول نہ کیا۔
(۱۰)۔ علامہ خلیل احمد السھارنپوریؒ مذکورہ حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"قلت ویمکن ان یقال ان ابن عباسؓ لم یقبل هذه الشهادة لانهافات حملها فاذاقبل هذه الشهادة کانه ویقبل علی الافطارولایقبل شهادة الواحدعلی الفطر" (بذل المجهود: ۳/۱۴۴) (ترجمہ) میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ بیشک عبداللہ بن عباسؓ نے اس شہادت کو قبول نہیں کیا اسلئے کہ اسکا محمل ختم ہو چکا تھا اور اگر اس شہادۃ قبول فرماتے تو یہ ایسا ہو تا کہ گویا آپؓ نے افطار کرنے پر قبول کر لیا جبکہ ایک شخص کی گواہی افطار (عید) کیلئے نا قابل قبول ہے۔

(۱۱)۔ محدث الکبیر علامہ محمد یوسف البنوریؒ حدیث بالا کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اختلاف مطالع کو اعتبار دینے والوں کا مستدل جیسا کہ علامہ زیلعیؒ نے ذکر کیا ہے جبکہ یہ حدیث متون کے مسئلہ کے مخالف ہے تو اس کا جواب یہ دیا جائیگا "بانه لادلیل فیه لأنه لم یشهدعلی شهادة غیره ولاعلی حکم الحاکم ولئن سلم فلانه لم یأت بلفظ الشهادة ولئن سلم فهو واحد لایثبت بشهادته وجوب القضاء علی القاضی کمااجاب عنه ابن الهمام فی الفتح وابن نجیم فی البحربلفظه ذکرتُ" (ترجمہ: اس میں کوئی دلیل نہیں اس لئے کہ آپؓ نے نہ غیر کی گواہی پر گواہی دی اور نہ حاکم کے حکم پر گواہی دی اور اگر تسلیم کیا جائے تو انہوں نے اسمیں لفظ شہادۃ سے شہادۃ نہیں دی اور اگر اسکو بھی تسلیم کر لیا جائے تو آپ اکیلے ہیں اور ایک شخص کی گواہی سے قاضی پر حکم صادر کرنا واجب نہیں ہو تا، اسی طرح ابن ہمام نے فتح میں جواب دیا ہے اور ابن نجیم نے بحر میں اور انہی الفاظ سے میں نے ذکر کیا۔ ان جوابات سے اچھی طرح یہ بات عیاں ہوئی کہ اس روایت سے استدلال کر کے اختلاف مطالع اعتبار کو ثابت کرنا کچھ بعید از انصاف معلوم ہو تا ہے۔

(۲)۔ دوسرا استدلال علامہ ابن رشد اندلسی کے فرمان سے ہے: چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں: "اجمعواعلی انه لایراعی ذلک فی البلدان النائیة کالاندلس والحجاز" (بدایة المجتهد ۱/۲۷۸) (ترجمہ: اس پر تمام متفق ہیں کہ دور دراز مسافت پر واقع شہروں میں جیسے کہ حجاز اور اندلس ہیں ایک جگہ کا حکم رؤیت دوسری جگہ نہیں لگایا جائے گا۔

(۳)۔ تیسرا استدلال حافظ ابن عبدالبر کے قول کرتے ہیں: "اجمعوا علی انه لایراعی

لروية فيما بعد من البلدان كخراسان واندلس" (فتح الباری ۴/ ۱۰۵ واوجز المسالک ۳/ ۶)
ترجمہ : اس پر سب کا اجماع ہے کہ جن شہروں میں اتنی دوری ہو جیسے خراسان اور اندلس تو وہاں ایک شہر کی رؤیت کا دوسرے شہر میں رعایت (قبول) نہ کی جائے گی۔ ان دونوں محققین ائمہ کے ان عبارات سے اختلاف مطالع کو اعتبار دینے پر استدلال کیا جاتا ہے۔ جو بظاہر معلوم ہوتا ہے۔

الجواب : مگر ان ائمہ کرام کے اس دعویٰ میں دو احتمالات ہیں : (۱)۔ اجماع سے مراد تمام امت کا اجماع مراد ہے تو اس کو علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے چیلنج کیا ہے اور کہا کہ اجماع کی حکایت غلط ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ تمام امت کا اختلاف مطالع کے اعتبار سے اجماع کا دعویٰ کرنا حق سے آنکھیں بند کرنے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ ماقبل صفحات سے معلوم ہوا ہو گا۔

(۲)۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس اجماع سے مذہب مالکیۃ کے ائمہ اور فقہاء کا اجماع مراد ہے، جو علامہ ابن رشدؒ کے کلام کے سیاق و سباق سے پتہ چلتا ہے اور اسی کو علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم ۳/ ۱۱۳ میں اور علامہ محمد برھان الدین سنبھلی نے رؤیت ھلال کا مسئلہ عصر حاضر کے وسائل اور ترقیات کی روشنی میں ص ۱۳۰ پر ترجیح دیا ہے۔ مگر اس احتمال والی اجماع کا دعویٰ کرنا بھی بعید ہے اس لئے ماقبل صفحات میں مذہب مالکی کا مفتی بہ قول جو علامہ ابو البرکات احمد بن محمد المالکی کی کتاب شرح صغیر ۱/ ۶۸۴ اور خود حافظ ابن عبدالبر القرطبیؒ کی کتاب الکافی ۱/ ۲۹۱ اور حافظ ابن حجر کی شہر آفاق کتاب فتح الباری ۴/ ۱۲۳ دور حاضر کے محقق شیخ وھبہ الزحیلی کی الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۶۰۶ کے حوالہ ذکر ہوا کہ مالکیۃ کی مفتی بہ رائے اختلاف مطالع کے عدم اعتبار کا ہے' جو اس اجماع کی تردید کرتا ہے بلکہ اگر یوں کہا جاتا کہ مالکیۃ کا اجماع اختلاف مطالع کے عدم اعتبار پر ہے تو مناسب ہو گا۔ لہذا علامہ ابن رشد اور حافظ ابن عبدالبر کے اس دعویٰ اجماع کو مستدل بناء کر پیش کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

(۴)۔ چوتھا استدلال علامہ ابو بکر الکاسانیؒ کی اس تفصیل سے دلیل پکڑتے ہیں جو انہوں نے تحریر فرمائی ہے کہ اگر کسی شہر کے لوگوں نے تیس روزے رکھے اور دوسرے شہر کے لوگوں نے ۲۹ روزے رکھے اگر پہلے شہر میں یقینی ذریعہ سے رؤیت متحقق ہو جانے کی بناء پر روزے رکھے گئے ہیں

تب تو دوسرے شہر کے لوگوں کو ایک روزہ قضا کا ضرور رکھنا چاہئیے، اس لئے کہ ان لوگوں نے رمضان میں (پہلے دن کا) ایک روزہ نہیں رکھا، کیوں کہ رمضان کی آمد ہو چکی تھی پہلے شہر میں رؤیت ہو جانے کی بنا پر اور دوسرے شہر میں چاند نظر نہ آنے سے حکم میں کوئی فرق نہیں ہو گا اس لئے کہ کسی جگہ عدم رؤیت سے اسکی نفی نہیں ہو جاتی لیکن یہ اس وقت "اذاکان المسافة بين البلدتين قريبة لاتختلف فيها المطالع فاما اذاكانت بعيدة فلايلزم احدالبلدتين حكم الاخرلان مطالع البلاد عندالمسافة الفاحشة تختلف فيعتبر فی اهل كل بلدٍ مطالع بلادهم دون الاخر" (بدائع الصنائع ۲/۸۳)

ترجمہ: جب دونوں شہروں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ ہو بلکہ دونوں شہر اتنے قریب ہوں کہ مطلع نہ بدل جاتا ہو اور اگر دونوں شہروں میں فاصلہ زیادہ ہو تو یہاں کا حکم وہاں نافذ ہونا ضروری نہیں ہو گا اس لئے کہ طویل مسافت پر شہروں کے مطالع بدل جاتے ہیں۔ چنانچہ ہر جگہ اسی مقام کے مطلع کا اعتبار ہو گا، دوسری جگہ کا نہیں۔ قلتُ ظاہری طور پر واقعی اختلاف مطالع کے اعتبار دینے کی تائید کرتی ہے مگر غور و فکر کے ساتھ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اعتبار دینے یا نہ دینے کی کوئی بات نہیں کی۔ چنانچہ محقق العصر مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ فرماتے ہیں: "بدائع کی پوری عبارت پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں اختلاف مطالع کے اعتبار یا عدم اعتبار کا بیان مقصود نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ اگر دو شہر آپس میں اتنے قریب ہوں کہ ان میں اختلاف مطالع کا کوئی امکان نہ ہو تو یہ دونوں ایک ہی شہر کے حکم میں ہوں گے، یعنی ایک شہر میں ثبوت رؤیت کی خبر دوسرے شہر والوں پر حجت ملزمہ ہو گی۔ وہاں کسی علیحدہ حجت کی ضرورت نہیں، جیسا کہ ایک شہر میں ثبوت رؤیت کی خبر اس کے تمام حصوں پر بلکہ شہر کے مضافات پر بھی حجت ملزمہ ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اگر دو شہروں کا مطلع مختلف ہے تو اگرچہ یہ اختلاف مطالع عندالاحناف ظاہر الروایۃ پر معتبر نہیں مگر ایک شہر میں ثبوت کی خبر دوسرے شہر والوں پر حجت ملزمہ نہ ہو گی بلکہ ان کیلئے مستقل حجت (شهادة على الشهادة یاشهادة على القضاء یااستفاضه) ضروری ہے غرض یہ کہ بدائع کی عبارت سے توبلد ان نائیۃ (بعید) صرف اختلاف مطالع کا تحقیق

ثابت ہوا جو بدیہی اور مشاھد و مسلم ہے کوئی عامی بھی اس سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا، کلام تو اس میں ہے کہ یہ اختلاف مطالع جو مشاھد و مسلم ہے ثبوت رمضان میں شرعاً معتبر بھی ہے یا نہیں؟ بدائع کی عبارت یہ مفہوم بالکل واضح ہے، علاوہ ازیں صاحب بدائع کا بلدان قریبۃ میں شھادۃ علی الشھادۃ وغیرہ کی شرط نہ لگانا نیز اعتبار مطالع میں اختلاف مشہور اور ظاہر الروایۃ میں عدم اعتبار مزبور ہونے کے باوجود اس سے مکمل سکوت اختیار کرنا اور ابو عبداللہ بن ابی موسیٰ الضریر کے فتویٰ سے استشھاد بین (واضح) دلیل ہے کہ یہاں ہلال رمضان میں اختلاف مطالع کے اعتبار یا عدم اعتبار کا مسئلہ بیان کرنا مقصود نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ۴/۴۶۹)

مفتی صاحب کا یہ جواب واقعتاً صحیح اور درست ہے اس لئے علامہ کاسانیؒ کا اعتبار دیئے یا نہ دینے میں ساکت رہنا اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ اس عبارت سے اعتبار کیلئے حجت لینا مناسب نہیں۔

(۵)۔ پانچواں دلیل مولانا عبدالحیٔؒ کا فتویٰ جو مجموعۃ الفتاویٰ مذکور ہے کہ اور محققین حنفیۃ کے نزدیک یہ ہے کہ جن شہروں میں ایک مہینہ کی مسافت ہو ان میں اختلاف مطالع معتبر ہے اور جن میں اس سے کم فاصلہ ہو ان میں اختلاف مطالع معتبر نہیں۔ (مجموعۃ الفتاویٰ اردو ا/ ۳۵۳)

الجواب: علامہ عبدالحیٔؒ لکھنوی کے اصل فارسی فتاویٰ میں اس بارے میں مختلف فتاوی منقول ہے۔ اول اور دوم جلدوں میں واقعتاً ایسا ہی فتاوی ذکر ہیں، لیکن آخری جلد سوم میں اس کے خلاف فتویٰ موجود ہے کہ اختلاف مطالع معتبر نیست و حکم یکجا مفید حکم بجائے دیگر میشود اگر خبر رؤیت ہلال مشتہر شود و انتشار پزیرد (مجموعۃ الفتاوی ۳/ ۷۰)۔ کہ اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں ایک جگہ کا حکم دوسری جگہ مفید ہے اگر یہ رؤیت کی خبر مشہور ہو جائے۔ علامہ صاحب کا یہ فتویٰ ان فتویٰ سے مختلف ہے۔ گویا ممکن ہے کہ انہوں نے بعد میں رجوع کر کے اس رائے کو اختیار کیا اور اسکی وجہ مفتی رشید احمد رحمہ اللہ یہ بیان کی ہے کہ مجموعۃ الفتاویٰ میں اختلاف مطالع کا مسئلہ متعدد جگہ آیا ہے جو مختلف تاریخوں میں لکھا گیا ہے۔ جلد اول / ۷۷ مورخہ ربیع الاول ۱۲۸۸ء اور صفحہ ۳۷۸ مورخہ شوال ۱۲۹۷ جلد دوم مورخہ شوال ۱۲۹۸ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جلد اول پہلے ہے اور جلد دوم اس کے بعد تو ظاہری بات ہے کہ جلد سوم بھی ان دونوں جلدوں کے بعد مرتب ہوئی ہے

لہذا یہ آپکا آخری فتویٰ ہے۔ جو آپ کے اول فتاویٰ سے رجوع ثابت کرتی ہے۔

(۶)۔ چھٹا دلیل حضرت مفتی اعظم محمد شفیعؒ اور علامہ محمد یوسف البنوری کے فتویٰ اور اقوال استدلال کرتے ہیں۔ مگر ان حضرات نے بھی آخر میں رجوع فرمایا تھا۔ چنانچہ مفتی رشید احمد صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں: مندرجہ بالا تحریر کے بعد ۱۳۔ شوال ۱۳۸۶ھ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور بندہ کے اتفاق رائے سے اختلاف مطالع کو غیر معتبر قرار دے کر پورے ملک میں تنفیذ حکم کے چند تجاویز حکومت بھیجی گئی تھیں الخ۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۴۸۴)

(۷)۔ ساتواں دلیل: ان دلائل کے علاوہ ایک قیاسی دلیل سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ نماز ایک حکم شرعی ہے اور اس کا تعلق اوقات سے ہے اور ہر ملک و شہر کے لئے اپنا الگ الگ وقت ہے تو اسی طرح رمضان کا تعلق بھی رؤیت سے اور ہر ایک شہر والوں کیلئے اپنا الگ الگ رؤیت ہونا چاہئیے۔

الجواب: اس قیاس کے بارے میں (۱) علامہ محمد ابوالحسن صاحب تنظیم الاشتات فرماتے ہیں: "کہ اوقات صلوۃ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ رؤیت ہلال میں تو تقدیم و تاخیر ہو سکتی ہے۔ بخلاف اوقات صلوۃ۔ (تنظیم الاشتات۔ ۱/ ۴۱) (۲) علامہ ابن ہمامؒ اس قیاسی دلیل کے جواب میں لکھتے ہیں: "وجه الاول عموم الخطاب فی قوله صوموامعلقاً بمطلق الرؤية فی قوله لرؤيته وبرؤية قوم يصدق اسم الرؤية فيثبت ماتعلق به من عموم الحكم فيعم الوجوب بخلاف الزوال والغروب فانه لم يثبت تعلق عموم الوجوب بمطلق مسماه فی خطاب الشارع (فتح القدیر: ۲/ ۲۴۲)۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے قول صوموا میں خطاب عمومی ہے جو مطلق رؤیت سے متعلق ہے تو ایک قوم کی رؤیت پر رؤیت کا اسم صادق آئے گا۔ پس اس سے عموم حکم ثابت ہو جائے گا جسکی وجہ سے وجوب میں بھی عموم ہوگا۔ بخلاف زوال و غروب کے کہ نفس نام سے عموم وجوب کا تعلق شارع اصل کے کلام سے ثابت نہیں، لہذا ان جوابات سے وضاحت کے ساتھ پتہ چلا کہ اختلاف مطالع کو اعتبار دینے کے جو عبارات و نصوص ذکر کیے جاتے ہیں ان سے استدلال مناسب نہیں، بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ کیلئے مثبت حکم ہے بشرطیکہ یہ خبر وہاں طرق شرعی سے پہنچ جائے۔ (جاری ہے)

دار العلوم کے شب و روز

جناب شفیق الدین فاروقی

سعودی عرب کے مفتی اعظم سماحۃ الشیخ عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کی رحلت پر ایوان شریعت میں تعزیتی جلسہ :

عالم اسلام کے عظیم بلند مرتبہ شخصیت الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کی یاد میں دار العلوم کے ایوان شریعت ہال میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا۔ دار العلوم کے ڈھائی ہزار سے زائد طلباء نے کئی قرآن پاک کے کئی ختمات شیخؒ کی روح کے ایصال ثواب کیلئے تلاوت کیے۔ بعد میں حضرت مہتمم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے حضرت شیخؒ کی شخصیت کے متعدد پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اور آپکی عالم اسلام کیلئے شاندار خدمات پر انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ مجھے بھی ان سے مسجد الحرام اور مدینہ یونیورسٹی میں شرف تلمذ حاصل ہوا۔ مولانا مرحومؒ کا علمی تبحر اور قوت حافظہ بے مثال تھا۔ عجز وانکساری اور جود وسخا آپ کے امتیازی صفات تھے۔ عالم اسلام مرحومؒ کی شاندار خدمات پر ہمیشہ انہیں یاد رکھے گا۔ تقریب میں جناب ڈاکٹر مولانا سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ نے بھی شیخؒ کے بارے میں تفصیل سے طلباء کو خطاب فرمایا۔ اور مرحومؒ کی سوانح عمری اور علمی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔ آخر میں عالم اسلام کے عظیم مربی ' عالم اور ادیب بے مثال ' مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی بیماری کیلئے خصوصی دعا فرمائی گئی۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے حضرت علی میاں مدظلہ کو عالم اسلام کا سب سے بڑا سرمایہ افتخار قرار دیا۔ اور انکی صحت یابی کیلئے خصوصی دعائیں کی گئیں۔ اسی طرح کراچی کے ایک عظیم عالم دین مولانا سبحان محمود صاحب رحمہ اللہ کی وفات پر انکی مغفرت کیلئے بھی دعا کی گئی۔

افغان وزیر اور مشہور جرنیل مولانا جلال الدین حقانی کی دار العلوم تشریف آوری :

افغانستان کے سیم جہادی کمانڈ تحریک طالبان کے مشفق رہنما اور وزیر سرحدات وقبائل 23 مئی کو مادر علمی دار العلوم حقانیہ تشریف لائے اور کئی گھنٹے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی رہائش گاہ پر آپ سے ملاقات کی اور تحریک طالبان اور افغانستان کے حالات پر آپ نے حضرت مہتمم صاحب سے تبادلہ

خیال فرمایا۔ بعد میں آپ نے دار العلوم کے نو تعمیر ہاسٹل کا معائنہ بھی کیا اس موقع پر نائب مہتمم حضرت مولانا انوار الحق صاحب اور حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب اور مولانا حامد الحق حقانی صاحب بھی موجود تھے۔

ایرانی سفار تکاروں کی دار العلوم آمد :

گذشتہ دنوں ایرانی سفار تکاروں کے ایک نمائندہ وفد نے دار العلوم حقانیہ کا معائنہ کیا۔ اور حضرت مہتمم صاحب سے افغانستان اور تحریک طالبان کے بارے میں طویل گفتگو کی۔ ایرانی سفار تکار کافی عرصہ سے از خود دار العلوم اور حضرت مولانا صاحب سے ملاقات کیلئے اصرار کر رہے تھے۔ الحمد للہ دار العلوم حقانیہ کے عالمگیر کردار کی وجہ سے اور خصوصاً افغان جہاد اور تحریک طالبان کی سرپرستی کی بناء پر ہمیشہ ہی دار العلوم مختلف عالمی قوتوں اور ممالک کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ ایرانی سفار تکاروں نے طالبان اور اہل سنت والجماعت کیلئے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ حضرت مہتمم صاحب نے انہیں طالبان اور اہل سنت والجماعت کے مبنی بر حق مؤقف سے آگاہ کیا۔ اور ان پر پر واضح کیا کہ ایران کی سالمیت اور سیاست کیلئے طالبان سے اتحاد اور صلح جوئی ضروری ہے۔ وفد نے ظہر کا کھانا مولانا کے ہاں کھایا۔ اور دار العلوم کے دورے کو بہت ہی مفید قرار دیا۔ ایرانی سفار تکاروں کے ہمراہ جمعیت علماء اسلام کے نائب امیر مولانا اشرف علی قریشی صاحب بھی موجود تھے۔

عظیم جہادی تحریک حماس کے رہنماؤں کی دار العلوم تشریف آوری :

گذشتہ ماہ تحریک حماس فلسطین کے رہنماؤں جناب عدنان تیمی اور ان کے ساتھیوں نے دار العلوم کا دورہ کیا۔ آپ کے ہمراہ یمن کے جناب عبد العزیز انجینئر بھی تھے۔ معزز مہمانوں نے ایوان شریعت میں طلباء سے ایک تفصیلی خطاب فرمایا۔ اور تحریک حماس کے اغراض و مقاصد ' آزادی قدس و فلسطین کی جدوجہد کی تفصیل سے آگاہ کیا۔ اور بین الاقوامی سیاسی امور پر سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ تحریک حماس کے رہنماؤں کی معاونت جناب ڈاکٹر مولانا شیر علی شاہ صاحب مدظلہ نے کی۔ تحریک حماس کے رہنماؤں نے دار العلوم کے مختلف شعبے دیکھے۔ بعد میں انہوں نے مولانا سمیع الحق صاحب کے دعوت پر جمعیت علماء اسلام کے طرف سے تائید طالبان کانفرنس ایبٹ آباد میں بھی شرکت کی اور خطاب فرمایا۔

جمعیت علماء اسلام (ف) کے رہنماؤں کی دارالعلوم آمد :

۷۔ مئی کو بروز جمعہ جمعیت علماء اسلام (ف) کے امیر مولانا فضل الرحمن صاحب اپنے رفقاء سمیت دارالعلوم تشریف لائے اور انہوں نے حضرت مولانا مدظلہ سے آپ کے چچا رحمہ اللہ کی وفات پر تعزیت کی۔ آپ کے ہمراہ جمعیت کے جنرل سیکرٹری مولانا عبدالغفور حیدری اور ڈاکٹر خالد سومرو بھی تھے۔ مولانا نے دارالعلوم کے نوتعمیر ایوان شریعت آڈیٹوریم ہال کا بھی دورہ کیا۔ اسی دن ظہر کو جمعیت علماء اسلام کے نائب امیر مولانا محمد خان شیرانی ایم این اے بھی بلوچستان کے علماء کے ساتھ دارالعلوم تشریف لائے اور دارالعلوم میں چند گھنٹے قیام کیا۔

دارالعلوم کے سہ ماہی امتحانات کا انعقاد :

21 مئی بروز ہفتہ دارالعلوم کے سہ ماہی امتحانات شروع ہوئے۔ امتحانات کا انعقاد دارالعلوم کے وسیع وعریض ایوان شریعت ہال میں کیا گیا۔ امتحانات صبح اور ظہر دونوں اوقات میں لئے گئے۔ نائب مہتمم حضرت مولانا انوارالحق صاحب مدظلہ نے خود تمام امتحانات کی نگرانی کی۔ دارالعلوم کے تمام اساتذہ کرام کی موجودگی میں امتحانات کا انعقاد ہوا۔ طلباء نے بھی مثالی نظم وضبط کا مظاہرہ کیا۔ طلباء کرام کو صرف تین دن کی چھٹیاں دی گئیں۔ طلباء کے نتائج کا اعلان چند روز میں کیا جائیگا۔ اور ان کے سرپرستوں کو طالب علم کی تعلیمی کارکردگی سے بذریعہ ڈاک آگاہ کیا جائیگا۔

فرانسیسی دانشور کی دارالعلوم آمد :

23۔ مئی کو فرانس کے ایک دانشور Jerome Bellion Jourdan دارالعلوم تشریف لائے۔ آپ سینٹر برائے بین الاقوامی تحقیق ومطالع (پیرس) کے فیلو ہیں۔ (Centre for Internation-al Research and Studies) فرانسیسی دانشور علماء اور انکی مذہبی جماعتوں اور مدارس کے کردار پر پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ دارالعلوم اور حضرت مولانا کی شہرت کی پیش نظر آپ نے سب سے پہلے دارالعلوم حقانیہ کا انتخاب کیا۔ آپ نے دارالعلوم میں پورا دن گزارا اور مختلف شعبے دیکھے اور مولانا مدظلہ سے اپنے مقالے کیلئے طویل انٹرویو کیا۔ مسٹر جارڈن کو عربی زبان پر عبور حاصل تھا۔ اس موقع پر راقم اور مدیر الحق مولانا راشد الحق صاحب نے آپ کی خصوصی معاونت کی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ادبیات

اے جانِ دلفگاراں داروئے غم نہ دادی

رشحاتِ فکر! حافظ محمد ابراہیم فانی

از گلشنِ جمالت مارا صنم نہ دادی — یک غنچہ وفائے اے غنچۂ فم نہ دادی

در دامِ عشق صیدم در جالِ شوق قیدم — اے شاہِ نازنیناں دستِ کرم نہ دادی

ساقی ز چشم ِمستت ریزد خمار الفت — یک قطرۂ صبوحی زیں جامِ جم نہ دادی

اے مہوشے نگارے اے جانِ انتظارے — یک حرفِ دلنوازے بہر دلم نہ دادی

آمد بلبم جانم از دردِ اشتیاقت — اے جانِ دلفگاراں داروئے غم نہ دادی

مستم کہ حریفم را ایں دولتِ جاویدے — ایں دردِ دلآویزے ایں چشم نم نہ دادی

ٰیں حالِ جانِ زارم از ہجر بیقرارم — آں نسخۂ شفائے بہرِ الم نہ دادی

در دعویٔ محبت فانی نہ ای تو صادق
کیں نقدِ روح وجاں را زیرِ قدم نہ دادی

☆☆☆☆☆☆☆
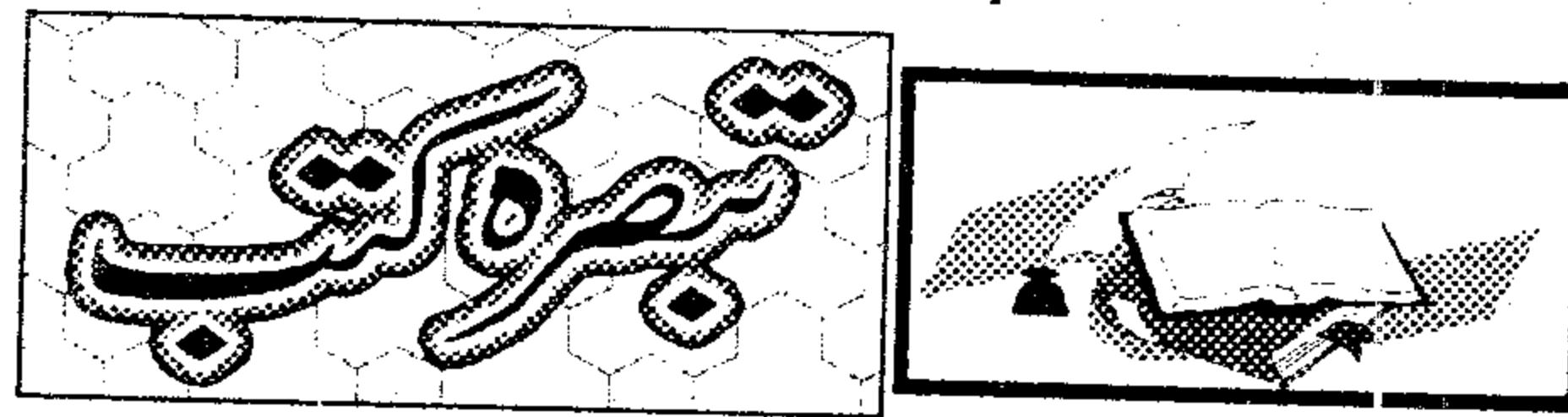
مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب

نقش سر سید : مصنف : جناب ضیاء الدین لاہوری۔ ضخامت : ۲۱۶ صفحات

قیمت : درج نہیں۔ ناشر : دار الفکر نیو اردو بازار کراچی

سر سید احمد خان کی شخصیت کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ انہوں نے ان گوناگوں خدمات اور نوع بہ نوع افکار سے ایک عہد کو متاثر کیا ہے۔ جسکی وجہ سے ان کی شخصیت کی نہایت حسین اور دلکش ومتاثر کن تصویر تخلیق کی گئی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سر سید کے سوانح و سیرت کا ایک ملکوتی پیکر تیار کیا گیا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ کی شخصیت کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے جو کہ بوجوہ عام نظروں سے اوجھل رکھا گیا ہے۔ فاضل مصنف نے آپکی شخصیت کے دونوں پہلوؤں کا جائزہ کچھ یوں پیش کیا ہے۔ "ایک سر سید کے علی گڑھ کالج کے قیام میں یہ مقصد کار فرما بتایا جاتا ہے کہ مسلمان قوم اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو کر آزادی کی جنگ لڑنے پر قادر ہو سکے۔ جبکہ دوسرا سر سید اس ادارے کے اغراض ومقاصد میں اسے ہندوستانی مسلمانوں اور انکی آئندہ نسلوں کو انگریز کی اطاعت و فرماں برداری سکھانے اور ان میں حکومت وقت کی "برکات" کی قدر شناسی اور خیر خواہی پیدا کرنے کا ذریعہ بتلاتا ہے اور دل کی گہرائیوں سے اس امر کا خواہاں ہے کہ ہندوستان میں انگریزی گورنمنٹ صرف ایک عرصہ دراز تک ہی نہیں بلکہ ابدی ہو جائے۔ ایک سر سید تصوراتی ہے جسے مخصوص ذہنیت کے چند فنکاروں کی تخیلاتی پروازیں عالم وجود میں لائیں۔ دوسرا سر سید حقیقی ہے جو اصل مآخذ سے ملتا ہے مگر تعصباتی رویئے اسے قبول کرنے کی راہ میں سخت حائل ہیں۔ الخ

ضیاء الدین لاہوری صاحب کا نام قارئین "الحق" کیلئے نیا نہیں۔ سر سید احمد خان کے متعلق آپکے کئی تحقیقی مضامین الحق کی زینت بنے ہیں۔ یہ کتاب بھی در حقیقت اسی تحقیق وکاوش کا تسلسل ہے جس میں فکر و نظر کے نئے زاویے سامنے آئے ہیں اور جس سے سر سید احمد خان کے حقیقی افکار و نظریات سے واقفیت اور آگاہی حاصل ہوگی۔ بلاشبہ اسی کتاب میں بعض ایسے حقائق ہیں جو کہ سر سید احمد خان کے عقیدت مندوں کیلئے تلخ ہوں گی، لیکن حقائق حقائق ہیں۔ ان سے انکار ممکن نہیں۔ اور نہ ہی اس سے چشم

پوشی کر کے اسکی نوعیت بدل سکتی ہے۔ چنانچہ فاضل مصنف نے لکھا ہے کہ یہاں پر اس سوال کا جواب دینا بھی بے جانہ ہوگا کہ مجھے کھلے بندوں حقائق بیان کرنے ضرورت کیوں پیش آئی جامعہ پنجاب میں تدریس کی تربیت حاصل کرنے کے دوران مجھے شدت سے یہ احساس ہوا کہ سر سید کے تعلیمی فلسفے میں بعض اساتذہ کرام کے لیکچروں میں تضادات پائے جاتے ہیں۔ میں نے اصل مآخذ کی طرف رجوع کیا تو بعض ایسی باتیں علم میں آئیں جو اس وقت عجیب لگیں۔ میں عجیب محسوس ہونے والی ان تحریروں کے اقتباسات نقل کر کے نوٹ بک میں محفوظ کرتا رہا تاکہ اس موضوع کے مجموعی تجزیئے میں کار آمد ثابت ہوں"۔

مصنف نے انتہائی عرق ریزی سے اصل مآخذ کی طرف رجوع کیا ہے اور سر سید احمد خان کے افکار و نظریات کا نقش خود انکی تحریرات و مضامین کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ تحقیق و تنقید اور ریسرچ کے حوالے سے کتاب کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
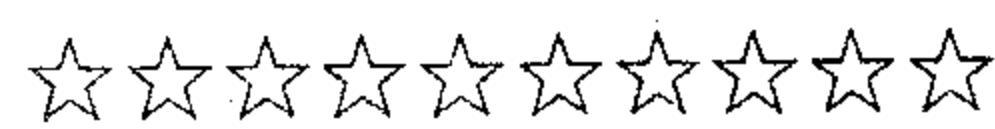
گلدستہ: جناب محمد موسیٰ بھٹو صاحب۔ ضخامت: ۲۳۲ صفحات

قیمت: ۵۰ روپے۔ ناشر: سندھ نیشنل اکیڈیمی ٹرسٹ حیدر آباد

محمد موسیٰ بھٹو صاحب سندھ کے نامور اہل قلم، ادیب اور دانشور ہیں۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں آپ کی کاوشیں لائق تحسین و آفرین ہیں۔ مختلف موضوعات پر آپکی تحقیقی کتابوں کی تعداد تقریباً دو درجن سے زائد ہے۔ تحقیق و تنقید کے ساتھ ساتھ ایک ماہنامہ رسالہ بھی سندھی زبان میں "بیداری" کے نام سے چلا رہے ہیں۔ صوبہ سندھ میں اسلامی صحافت کی ترویج میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے بلاشبہ ان کی ہر تصنیف فکر و نظر کے نئے زاویوں سے قاری کو روشناس کراتی ہے۔ زیر تبصرہ کتاب، میں ان چند اصحاب قلم ارباب دعوت و تحریک اور اہل علم و دانش کے خطوط ہیں جو کہ انہوں نے مرتب کو وقتاً فوقتاً مختلف موضوعات پر ارسال کئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ صاحب مکتوب کا مختصر تذکرہ و تعارف بھی شامل ہے اور ان حضرات کے فکر و عمل کا جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ جدید اصول تحقیق کے مطابق فہرست میں آپ نے درجہ بندی بھی کی ہے جو کہ انتہائی ضروری امر ہے۔ مولانا وحید الدین خان کے متعلق مقالہ تو بہتر ہے مگر اب آپ کی فکری کجی نے عجیب صورتحال پیدا کی ہے۔ اللہ ہمیں سوء خاتمہ سے بچائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆